اِنۡ اُرِیۡدُ اِلَّا الۡاِصۡلَاحَ مَا اسۡتَطَعۡتُ

ماہنامہ

البرہان

لاہور

فروری ۲۰۱۴ء

مدیر ڈاکٹر محمد امین

ماہنامہ **البرہان** لاہور

جلد ۱۸، شمارہ ۲، فروری ۲۰۱۴ء/ ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ

مشمولات

O پاکستان اور اسلام

طالبان سے مذاکرات اور صلح ناگزیر ہے — مدیر — ۴
اصلاح احوال کے لیے حکمرانوں اور دینی قوتوں کے لیے لائحہ عمل

O تعلیم و تربیت

تعلیم اور افغان طالبان کا موقف — قاری محمد یوسف احمدی — ۲۶

دینی مدارس میں فقہ و اصول فقہ کی تدریس — مدیر — ۳۰

O اسلام اور سائنس

مذہب اور سائنس _ باہمی تعلق کی صحیح نوعیت — ڈاکٹر محمد شہباز منج — ۳۲

O تفہیم دین

تصورِ اقامت دین ۔نئی اپروچ کی ضرورت — ڈاکٹر محمد امین — ۴۴

O تزکیۂ نفس

مشینی زندگی سے جوہر انسانیت کا کچلا جانا — احمد جاوید — ۴۸

O ہماری سرگرمیاں

سود کے خلاف موقف اور تحریک — ملی مجلس شرعی — ۴۹

آل پاکستان دینی مدارس مقابلہ مضمون نویسی — اصلاحِ تعلیم ٹرسٹ — ۵۰

O تبصرہ کتب

صہیونیت از انجینئر مختار فاروقی — مدیر — ۵۳
نیکی پھیلائیں، بدی مٹائیں از عارف الرحمن
سہ ماہی ''فکر و نظر'' اسلام آباد کی خصوصی اشاعت — مفتی محمد اصغر

پاکستان اور اسلام

ڈاکٹر محمد امین

طالبان سے مذاکرات اور صلح ناگزیر ہے

پاکستان میں دہشت گردی کا بنیادی سبب امریکہ ہے

اصلاح احوال کے لیے حکمرانوں اور دینی قوتوں کے لیے لائحہ عمل

گزشتہ سے پیوستہ

ہم نے گزشتہ شمارے میں عرض کیا تھا کہ پاکستان میں دہشت گردی کا بنیادی سبب امریکہ ہے۔ پاکستان کو سیاسی لحاظ سے غیر مستحکم بنانے، معاشی لحاظ سے کمزور کرنے، اس میں فکری انتشار پھیلانے، فرقہ واریت اور دہشت گردی کو فروغ دینے اور خانہ جنگی کرانے میں آج تک جو کامیابی امریکہ کو حاصل ہوئی ہے اس میں خارجی لحاظ سے اسے بھارت اور اسرائیل کی مدد بھی حاصل ہے اور افغانستان کی سرزمین اور وسائل کو تو وہ استعمال کر ہی رہا ہے۔ افغانستان کی تباہی کے ساتھ اس کا بڑا ہدف یہ تھا کہ پاکستان کو توڑ دیا جائے اور اس کی ایٹمی حیثیت ختم کردی جائے لیکن الحمدللہ کہ وہ ابھی تک اس میں کامیابی نہیں ہوسکا۔ اس کو افغانستان میں ناکام کرنے اور وہاں سے بھگانے میں بنیادی کردار افغان طالبان کا ہے جنہوں نے لازوال قربانیاں دے کر تاریخ کا رُخ موڑ دیا ہے۔ پہلے انہوں نے روس جیسی دنیا کی ایک سپر پاور کو شکست دی اور وہ ٹوٹ گیا۔ اس کا ایک بنیادی سبب جنگی اخراجات اور معاشی بحران تھا۔ اب انہوں نے دوسری ورلڈ پاور امریکہ اور اس کے حواریوں کو بھی شکست دے دی ہے اور وہ وہاں سے بے نیل ومرام واپس جارہے ہیں۔ اس کے نتیجے میں ان شاء اللہ امریکہ بھی ٹوٹ جائے گا اور اس کی وجہ بھی معاشی بحران اور جنگی اخراجات ہی ہوں گے۔ دشمن کہتے ہیں کہ ان کی اس شکست میں درپردہ پاکستان کا بھی ہاتھ ہے اور وہ اندر سے طالبان سے ملا ہوا ہے۔ اللہ کرے یہ سچ ہو ورنہ بظاہر تو پاکستانی اسٹیبلشمنٹ کا جو کردار نظر آتا ہے وہ شرمناک اور اندوہناک ہے۔

ہم نے یہ بھی عرض کیا تھا کہ پاکستان میں دہشت گردی کا ایک سبب اور مظہر طالبان پاکستان بھی ہیں اور جیسا کہ اب واضح ہوگیا ہے کہ یہ بہت سے گروپوں کا مجموعہ ہے۔ ان کا بڑا گروپ یا ان کے کئی بڑے گروپ اپنے مطالبات میں مخلص ہوسکتے ہیں لیکن اس سے انکار ممکن نہیں کہ امریکہ و بھارت نے ان میں اپنے ایجنٹ داخل کررکھے ہیں اور اپنے کئی گروپ کھڑے کررکھے ہیں اور وہ انہیں پاکستان سے

لڑانے کے لیے ڈالراور اسلحہ فراہم کررہے ہیں۔ان میں سے جو گروپ امریکہ مخالف اور اسلام سے مخلص ہیں امریکہ ان کا بھی دشمن ہے اور انہیں ڈرون حملوں سے مارتا رہتا ہے۔

ہم نے کہا تھا کہ پاکستانی حکومت اور فوج کا یہ رویہ غلط اور غیر شرعی ہے کہ وہ غیر مسلم حملہ آوروں کا ساتھ دے رہے ہیں اور اس کے دباؤ پر اپنے قبائل پر حملے کر رہے ہیں کہ وہ اس حملہ آور کے خلاف نہ لڑیں اور نفاذ شریعت کا مطالبہ نہ کریں۔اصولی طور پر طالبان پاکستان کے یہی دو مطالبات ہیں اور دونوں صحیح اور شرعی ہیں کہ انہیں غیر مسلم حملہ آور (امریکہ) کے خلاف لڑنے دیا جائے اور پاکستان میں شریعت نافذ کی جائے۔ان کا یہ طرز عمل ان کے نزدیک جہاد اور حکومت پاکستان کے نزدیک خروج اور بغاوت ہے۔ پاکستان کے جمہور علماء کا موقف یہ ہے کہ طالبان کے دونوں مطالبات جائز ہیں لیکن حکومت پاکستان کے خلاف ان کا مسلح جدوجہد کا طریق کار غلط ہے جب کہ طالبان کا یہ کہنا ہے کہ ہم اس طریق کار پر مجبور ہیں کیونکہ امریکی ڈرون حملوں کے ساتھ پاکستانی فوج نے پہلے ہم پر حملہ کیا تھا ہم نے ان پر حملہ کرنے میں پہل نہ کی تھی۔لہٰذا اگر حکومت ان کے دونوں مطالبات تسلیم کر لیتی ہے تو اس سے خانہ جنگی اور دہشت گردی ختم ہو سکتی ہے۔

پاکستان میں نفاذِ شریعت کا مسئلہ

جہاں تک پہلے مطالبے کا تعلق ہے تو چونکہ امریکی اور نیٹو افواج افغانستان سے جا ہی رہی ہیں لہٰذا حکومت پاکستان کے پاس Face Saving کی شکل موجود ہے کہ جب دشمن جا ہی رہا ہے تو اس کی وجہ سے وہ اپنے عوام سے کیوں لڑے؟ لہٰذا حکومت پاکستان اور طالبان کو آپس میں صلح کر لینی چاہیے۔ جو کچھ ہو چکا اس پر مٹی ڈالنی چاہیے اور ماضی کی تلخیاں ختم کر کے آئندہ کے لیے اپنے حالات درست کر لینے چاہئیں اور اس صلح کی مخالفت میں امریکہ و بھارت اور ان کے مقامی حواریوں کے شور و غوغا کی پروا نہیں کرنی چاہیے۔

دوسرا مسئلہ ہے نفاذِ شریعت۔یہ ایک حقیقت ہے کہ دینی جماعتوں کی جدوجہد اور عوام کے مطالبے پر ہمارا آئین بڑی حد تک اسلامی ہے اور اس کے تحت ہمارے ہاں بہت سے اسلامی قوانین اور اسلامی ادارے موجود ہیں لہٰذا اب کرنے کے دو کام ہیں:

ایک: یہ کہ آئین میں اسلامی لحاظ سے جو خامیاں ہیں وہ دور کر لی جائیں اور جو اسلامی قوانین اور ادارے مزید بنائے جانے مطلوب ہیں وہ بنا لیے جائیں۔

دوم: اصل مسئلہ آئین کی اسلامی دفعات اور اسلامی قوانین پر عمل کرنے کا اور اسلامی اداروں کو فعال بنانے کا ہے جس کی will اور عزم و ارادہ ہمارے حکمران طبقات (سیاستدان، فوج، بیوروکریسی، پولیس، عدلیہ، میڈیا......وغیرہ) میں موجود نہیں۔

پہلے مسئلے کا حل

پہلے مسئلے کا حل موجود ہے اور خوش قسمتی سے پاکستان کے جمہور علماء کرام اتفاق رائے سے ان سوالوں کے جواب دے چکے ہیں کہ آئین کیسے اسلامی ہوگا اور پاکستان میں نفاذِ شریعت کے لیے کون سے قوانین اور اداروں کی ضرورت ہے اور نفاذِ شریعت کے لیے کون سے اقدامات درکار ہیں؟ چونکہ ان معاملات میں پاکستان کے سارے دینی مکاتب فکر کے علماءِ کرام کا اتفاق ہے لہٰذا اب حکومت اور اس کے ہمنواؤں کے پاس کوئی عذر نہیں کہ وہ اس پر عمل نہ کریں۔ خصوصاً ان کے پاس یہ عذر موجود نہیں ہے کہ کون سی شریعت نافذ کریں؟ اور کیسے نافذ کریں؟ ان سب سوالوں کا متعین اور ٹھوس جواب سارے مکاتب فکر کے علماء کرام نے مل کر دے دیا ہے چنانچہ ہم اس مضمون کے آخر میں اسلامی آئین کے حوالے سے سارے دینی مکاتب فکر سے تعلق رکھنے والے مشرقی ومغربی پاکستان کے ممتاز ۳۱ علماء کرام کی طرف سے ۱۹۵۱ء میں منظور کردہ متفقہ ۲۲ نکات بطور "ضمیمہ ۱" دے رہے ہیں اور اسی طرح پاکستان میں نفاذِ شریعت کے حوالے سے درکار اقدامات کے بارے میں سارے دینی مکاتب فکر کے ۷۵ جید علماء کرام کی طرف سے ستمبر ۲۰۱۱ء میں منظور کردہ متفقہ ۱۵ نکات بطور 'ضمیمہ ۲' دے رہے ہیں۔ ہم پھر کہتے ہیں کہ اب یہ کوئی مسئلہ نہیں ہے کہ شریعت کیسے نافذ کی جائے اور کون سی شریعت نافذ کی جائے؟ کیونکہ سارے مکاتب فکر کے علماء کرام مل کر اس کا متفقہ جواب دے چکے ہیں لہٰذا اب اگر کوئی سیاستدان اور صحافی اس ضمن میں میڈیا میں پروپیگنڈا کرتا ہے تو وہ غلط کرتا ہے اور جھوٹ بولتا ہے۔

دوسرے مسئلہ کا حل

البتہ دوسرے مسئلے کے حل کے لیے علماء کرام اور دینی جماعتوں اور اداروں نے اب تک جو کوششیں کی ہیں وہ ناکافی اور ناکام ثابت ہوئی ہیں اور علماء کرام کو مل بیٹھ کر سوچنا چاہیے کہ اس کے لیے مزید کیا اقدامات کیے جائیں اور پاکستان کے کارفرما اور حکمران طبقات کو کس طرح معاشرے میں نفاذ شریعت کا قائل اور اس پہ مائل کیا جائے۔ اس ضمن میں ہم اپنا تجزیہ اور تجاویز علماء کرام اور دینی جماعتوں کے غور وفکر کے لیے ان کے سامنے رکھ رہے ہیں، اللہ کرے یہ اس معاملے کے حل میں معاون ثابت ہوں۔

نفاذ شریعت کا غلط تصور

ایک بات شروع ہی میں سمجھ لیجیے کہ حقیقت کا انکشاف اور ادراک و فہم ایک چیز ہے اور اس پر عمل دوسری چیز لہٰذا پہلی حالت کو دوسری پر قیاس کرنا یا اسے اس کا مترادف سمجھ لینا غلطی اور خود فریبی کے سوا کچھ نہیں۔ آئین اور قوانین کا اسلامی بن جانا یقیناً ایک بڑی بات ہے لیکن اس سے مسئلہ حل نہیں ہوتا۔ آئین تو کاغذ کا ایک ٹکڑا ہے اور ہم انسانوں کا بنایا ہوا ہے۔ ہمارے پاس تو اللہ کی کتاب موجود ہے جو زمین پر اس کی برہان اور فرقان ہے اور وہ ہمیں قوت اور غلبے کی گارنٹی دیتی ہے لیکن ہم وہ بدقسمت لوگ ہیں کہ اس کی تعلیمات پر عمل نہیں کرتے اور دنیا میں خوار و زبوں ہیں، ذلیل و رسوا ہیں اور آخرت میں پتہ نہیں ہمارا کیا بنے گا؟ لیکن اس کے باوجود ہم قرآن کی باتوں پر عمل نہیں کرتے تو یہ انسانوں کا بنایا ہوا آئین اور ہماری پارلیمنٹ کے بنائے ہوئے اسلامی قوانین کس باغ کی مولی ہیں؟ لہٰذا محض اسلامی قوانین بنا دینے اور اسلامی ادارے بنا دینے سے ملک میں شریعت نافذ نہیں ہوگی۔ پہلے بھی نہیں ہوئی اور آئندہ بھی نہیں ہوگی جب تک ہم خود کو نہ بدلیں اور ان انسانوں کو نہ بدلیں، ان کے دل و دماغ اور کردار کو نہ بدلیں جنھوں نے اپنے آپ پر شریعت نافذ کرنی ہے اور دوسروں پر نافذ کرنی ہے۔

اجتماعی زندگی کی تین سطحیں

انسانی زندگی کی تین سطحیں ہوتی ہیں: ۱۔فرد ۲۔ معاشرہ اور ۳۔ ریاست۔ ہمارے ہاں ریاست کی سطح پر آئین اور قوانین جو کچھ اسلامی بن گئے ہیں تو اس کی ایک وجہ ہمارا ماضی اور پس منظر ہے کہ پاکستان بنا ہی دو قومی نظریے کی بنیاد پر جدوجہد کرنے اور تحریک چلانے کے نتیجے میں تھا اور دوسرے ہماری دینی سیاسی جماعتوں کی جدوجہد جس کی عوام نے بھی اس حوالے سے پذیرائی کی۔ البتہ فرد کی اصلاح اور تعمیر کے لیے ہماری تبلیغی اور دعوتی تحریکوں اور دینی مدارس نے جو کام کیا ہے وہ ناکافی اور غیر موثر ثابت ہوا ہے۔ دینی سیاسی جماعتیں بھی انسان سازی کی طرف توجہ نہیں دے سکیں کہ وہ تو سیاسی جدوجہد میں مصروف تھیں۔ اسی طرح اصلاح معاشرہ کے لیے بھی موثر کام نہیں ہو سکا کیونکہ جب تعمیر فرد کے لیے موثر کام نہ ہوگا تو لازماً اس کا برا اثر معاشرے پر بھی پڑے گا۔

مغربی جمہوریت قبول کرنے سے معاشرے پر مغربیت کا غلبہ

پاکستان میں افراد کی زندگی میں اسلام نہیں آ سکا، معاشرے کی اقدار اسلامی اصولوں پر استوار نہیں ہو سکیں اور ریاستی سطح پر اسلامی آئین و قوانین بننے کے باوجود ان پر عمل نہیں ہو رہا تو اس کی ایک

بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ گو ہم کلمہ پڑھتے ہیں، مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں، نماز پڑھتے ہیں اور روزے رکھتے ہیں لیکن ہم نے عملی زندگی میں مغربی فکر وتہذیب کو بطور نظریۂ حیات قبول کر لیا ہوا ہے۔ ہمارے علماء و سکالرز اور دینی سیاستدان بھی اس طرف متوجہ اور اس پر متنبہ نہ ہو سکے کہ مغرب کی لادین اور سرمایہ دارانہ جمہوریت کو (بعض معمولی اسلامی تبدیلیوں کے ساتھ) قبول کر لینے کا یہی ہولناک نتیجہ نکلے گا اور اجتماعی زندگی پر اسلام کی بجائے مغربی فکر وتہذیب کا غلبہ ہو جائے گا۔ یوں ہماری آنکھوں دیکھتے پاکستانی معاشرے پر مغربیت غالب آتی جا رہی ہے، اسلامی قدریں مٹ رہی ہیں، اخلاق تباہ ہو رہے ہیں، مادہ پرستی اور عریانی وفحاشی عام ہو رہی ہے اور معاشرہ دن بدن اسلام سے دور ہو رہا ہے۔

اس کے ساتھ ہی یہ بھی ایک تلخ حقیقت ہے جسے تسلیم کیے بغیر کوئی چارہ نہیں کہ مغربی فکر وتہذیب کے علمبردار ممالک اسلام، مسلمانوں اور پاکستان کے خلاف منظم سازشیں کر رہے ہیں اور مسلمان معاشرے میں مغربی فکر وتہذیب کے فکری وعملی غلبے کے لیے گلوبلائیزیشن، نیو ورلڈ آرڈر، تہذیبوں کی کشمکش، دہشت گردی کے خلاف مہم، امن و برداشت کے فروغ اور تعلیم وتہذب عام کرنے کے دلکش نعروں کے تحت مسلم پاکستانی معاشرے پر مغربی فکر وتہذیب مسلط کرنے کے لیے مستقلاً کوشاں ہیں اور بڑی حد تک اس میں کامیاب نظر آتے ہیں۔ چنانچہ دیکھا جا سکتا ہے کہ پاکستان میں کئی سیاسی جماعتیں (پیپلز پارٹی، ایم کیو ایم، اے این پی اور قوم پرست گروپ) اس وقت مغرب کے سیکولر ایجنڈے اور امریکی بھارتی مفادات ونظریات کے لیے کام کر رہے ہیں۔ جدید تعلیم کے ادارے خصوصاً پرائیویٹ سیکٹر کے سکول، کالج اور یونیورسٹیاں مغربی اقدار کو فروغ دینے میں مصروف ہیں اور ذرائع ابلاغ میں اکثر ٹی وی چینلز اور اخبارات کی مغربی مفادات ونظریات کو پروموٹ کرنے میں مسابقت سے یوں لگتا ہے جیسے یہ امریکی بھارتی وسائل سے اور ان کے مفادات ونظریات کے تحفظ وفروغ کے لیے ہی قائم کیے گئے ہیں۔ ہماری وزارت خارجہ، خزانہ اور تجارت پر بھی یوں لگتا ہے جیسے امریکی بھارتی لابی کا قبضہ ہے، فوج اور بیوروکریسی بھی اسی کام کے لیے مختص لگتی ہیں اور بہت سے صحافیوں، ادیبوں اور دانشوروں (؟) کا کردار ایسا ہے کہ انہیں امریکی بھارتی مفادات ونظریات کا نگہبان اور علم بردار کہا جا سکتا ہے۔ اور یہ باتیں ہم اپنے احباب میں سے مولانا زاہد الراشدی صاحب اور پروفیسر ملک محمد حسین صاحب کی اس تنبیہ کے باوجود کہنے پر مجبور ہیں جو ہمیں اور دوسروں کو ٹوکتے رہتے ہیں کہ اختلاف فکر ونظر کی بنیاد پر کسی کو دشمن کا ایجنٹ نہ کہو اور دوسروں پر سازشوں کا الزام لگانے کی بجائے اپنے گریبان میں جھانکو...... کیونکہ ہمارے نزدیک یہ ننگے حقائق ہیں اور اگر ہم نے ان کو تسلیم نہ کیا اور ان کے فتنے سے بچنے کی جدوجہد نہ کی تو ہماری کشتی کے کنارے لگنے کے امکانات مخدوش نظر آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں آفات سے بچائے اور عافیت سے

نوازے، آمین

حل کی طرف پیش قدمی

موجودہ صورت حال کا جو تجزیہ ہم نے سطور بالا میں کیا ہے اس کی روشنی میں اصلاح احوال کے لیے دو طرح کے اقدامات ناگزیر محسوس ہوتے ہیں:

ایک یہ کہ مغربی فکر و تہذیب کو شعوری طور پر رد کر دیا جائے، پاکستانی معاشرے میں اس کے غلبے کے خلاف تحریک چلائی جائے اور اپنے اجتماعی اداراتی ڈھانچے (سیاسی نظام، تعلیمی نظام، معاشی نظام......) کو مغربی فکر و تہذیب کے مطابق چلانے کی بجائے انہیں اسلامی اصول و اقدار کے مطابق چلانے کے لیے پلاننگ اور جدوجہد کی جائے۔

دوم: معاشرے کی تینوں سطحوں پر متوازن اور موثر کام کے لیے دینی جماعتیں، ادارے اور علماء کرام دینی جدوجہد کی موجودہ حکمت عملی پر نظر ثانی کریں خصوصاً دینی حوالے سے جو کاغذی کامیابیاں ہم نے ریاستی سطح پر جدوجہد کر کے حاصل کی ہیں انہیں ثمر آور بنانے اور ان پر موثر عمل درآمد کے لیے جس طرح کی متوازن جدوجہد درکار ہے، اس کے اہم سنگ ہائے میل یہ ہیں:

۱۔ اسلامی تناظر میں فرد کی تعمیر شخصیت و کردار پر توجہ مرکوز کی جائے۔ اس کے لیے ناگزیر ہے کہ نظام تعلیم و تربیت اور ذرائع ابلاغ کی موجودہ مغرب پرستانہ روش کو بدلا جائے۔ جدید تعلیم کو اسلامی تقاضوں کے مطابق ڈھالا جائے اور مدارس کی تعلیم کو اسلاف کی طرز پر دین و دنیا کا جامع اور عصری ضرورتوں کو پورا کرنے والا بنایا جائے۔ اسی طرح ذرائع ابلاغ کا قبلہ درست کیا جائے اور صحیح اسلامی نقطۂ نظر کے فروغ کے لیے اپنے ادارے قائم کیے جائیں۔ یہ بھی ضروری ہے کہ دعوت و تبلیغ کے جو ادارے کام کر رہے ہیں ان کے پیغام کو متوازن بنایا جائے تا کہ وہ فرقہ واریت کی اساس پر جزوی کام کو ترک کر کے تعمیر فرد کا کام اس طرح کریں کہ وہ اجتماعی زندگی (معاشرہ اور ریاست) پر اثر انداز ہو اور ان دونوں کی اصلاح اور ان کی اسلامی تشکیل نو میں مدد و معاون ثابت ہو۔

۲۔ ریاست کی سطح پر اسلامی آدرشوں کو بروئے کار لانے میں چونکہ بہت سی رکاوٹوں کا سامنا ہے اور اس میں اسلامی قوتوں کو ناکامی ہوئی ہے لہٰذا متبادل کے طور پر عوام کی مدد سے معاشرتی تبدیلی کو ہدف بنا لیا جائے جیسا کہ ہمارے اسلاف نے کیا تھا کہ تعلیم، تزکیۂ نفس، قانون سازی اور اشاعت اسلام کے کام کو انہوں نے معاشرے کی قوت سے اور معاشرتی تنظیم کے ذریعے (مسجد کو مرکز بنا کر مدارس قائم

کر کے، خانقاہیں قائم کر کے، فقہی مجالس بنا کر......) احسن طریقے سے چلایا تھا، وہی پالیسی دوبارہ اختیار کر لی جائے۔ مساجد کو مرکز بنا کر تعلیم اور میڈیا کے علاوہ افلاس کے خاتمے، عدل و انصاف کی فراہمی اور قیامِ امن کے لیے بھرپور اور منظم جدوجہد کی جائے اور اس جدوجہد کو معاشرے (سول سوسائٹی) کی قوت سے کامیاب اور ثمر آور بنایا جائے (اس کام کا تفصیلی نقشہ ہم اپنی کئی تحریروں میں پیش کر چکے ہیں)۔

۳۔ دینی قوتیں سیاسی سطح پر اپنی ناکامیوں کا تجزیہ کریں، ماضی میں کی جانے والی غلطیوں سے بچیں، آپس کے خلفشار پر قابو پائیں اور خصوصاً مغربی جمہوریت کو قبول کرنے کے اپنے اجتہاد پر نظرِ ثانی کریں کیونکہ اس کے نتیجے میں پاکستان میں اسلام کی بجائے مغربی فکر و تہذیب کو غلبہ حاصل ہوا ہے۔

تلخیص مباحث

ہم نے البرہان کے پچھلے شمارے میں اور سطور بالا میں پاکستان کے حالات کا جو تجزیہ کیا ہے اور پاکستانی فرد، معاشرے اور ریاست کو جو خطرات اسلامی حوالے سے درپیش ہیں اور ان خطرات سے نمٹنے کے جو ممکنہ حل ہو سکتے ہیں، ان پر گفتگو کرتے ہوئے ہم نے جو کچھ کہا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے:

۱۔ پاکستان میں امن و امان کے فقدان، سیاسی عدم استحکام، معاشی ابتری، فکری انتشار......کی جو صورتِ حال ہے اس کی بنیادی وجہ مغرب (امریکہ و یورپ) کی اسلام، مسلم اور پاکستان دشمن پالیسیاں ہیں اور اس کام میں اسے بھارت، اسرائیل، افغانستان کی حمایت بھی حاصل ہے۔

۲۔ پاکستان کے اندر حکمرانوں، سیاستدانوں، بیوروکریسی، فوج، پولیس، تعلیم، ذرائع ابلاغ، اہم وزارتوں اور صحافیوں، ادیبوں اور دانشوروں (؟) میں ایسے لوگ بکثرت موجود ہیں جو مغربی مفادات و نظریات کے لیے کام کر رہے ہیں۔

۳۔ افغانستان پر حملے کا ایک بڑا ہدف پاکستان کو توڑنا اور اس کی نظریاتی اور ایٹمی حیثیت ختم کرنا تھا۔ اس کے لیے بہت سے ابتدائی اقدامات کامیابی سے کیے جا چکے ہیں جیسے پاکستان کو دہشت گردی کے خلاف نام نہاد جنگ میں شامل کرنا (جو دراصل اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جنگ ہے)، پاکستانی فوج کو قبائل سے لڑانا، کراچی،، بلوچستان وغیرہ میں پاکستان مخالف عناصر کو ابھارنا اور انہیں اسلحہ، ڈالر اور تربیت فراہم کرنا، طالبان میں اپنے آدمی داخل کرنا اور انہیں پاکستانی فوج اور عوام سے لڑانا، پاکستان میں اپنے گوریلے اور خفیہ ایجنٹ داخل کرنا اور ان کے نیٹ ورک کو منظم و متحرک کرنا، پاکستان میں اپنی مرضی کے حکمران لانا، ذرائع ابلاغ کو اپنے مفادات کے لیے استعمال کرنا، فرقہ واریت کو ہوا دینا اور دینی

عناصر کو آپس میں لڑانا، جدید تعلیم کے ذریعے مغربیت پھیلانا......وغیرہ وغیرہ۔

۴۔ پاکستان کے سارے دینی مکاتب فکر کے علماء کی اکثریت اس بات پر متفق ہے کہ حکومت پاکستان کے دونوں فیصلے (یعنی امریکہ ونیٹو کے افغانستان پر حملے کی حمایت اور ان کے دباؤ پر قبائل پر لشکر کشی) غلط اور غیر شرعی تھے اور یہ کہ ان پر امریکی اور پاکستانی حملے کی صورت میں اپنی جان بچانے کے لیے مدافعت ان کا شرعی حق ہے لیکن پاکستان کے عوام اور شہری علاقوں بالخصوص بازاروں، ہسپتالوں اور عبادت گاہوں......وغیرہ پر حملوں کا کوئی جواز نہیں اور یہ دہشت گردی ہے جسے کچلنے کا حق حکومت کو حاصل ہے۔ اسی طرح جمہور علماء کا موقف یہ ہے کہ پاکستان میں نفاذ شریعت کے لیے مسلح جدوجہد غیر ضروری اور غیر شرعی ہے کیونکہ پاکستان کا آئین بڑی حد تک اسلامی ہے، ملک میں اسلامی قوانین اور ادارے موجود ہیں (گو وہ فعال اور موثر طریقے سے کام نہیں کر رہے) اور پرامن تبدیلی کے راستے کھلے ہیں تاہم اخلاص نیت کے ساتھ اس کے برعکس رائے رکھنے کی گنجائش شرعاً موجود ہے بشرطیکہ یہ کام اسلام اور مسلم دشمن غیر مسلم قوتوں کی تائید وحمایت سے نہ کیا جائے۔

۵۔ اس صورتِ حال کی اصلاح کے لیے ضروری ہے کہ پاکستانی حکومت:

i- امریکہ ونیٹو کی حمایت سے باز آجائے اور ملک میں شریعت عملاً نافذ کرے۔ شریعت کیسے نافذ ہو اور اس کے لیے کیا اقدامات کیے جائیں؟ یہ کوئی معمہ نہیں اور نہ اختلافی معاملہ ہے کیونکہ پاکستان کے سارے دینی مکاتب فکر کے علماء کرام اس کا متفقہ جواب دے چکے ہیں جو اس مضمون کا حصہ ہے۔ اس کے لیے مغربیت کو ترک کرنا اور اسلامی پیش رفت کے لیے موزوں اسلامی ماحول پیدا کرنا بھی حکومت کی ذمہ داری ہے۔

ii- اس غرض سے طالبان پاکستان کے ساتھ مذاکرات اور صلح ضروری ہے اور اس کی طرف پیش قدمی حکومت پاکستان کی ذمہ داری ہے کیونکہ ابتداء میں غلط اقدام اس نے ہی کیا تھا پھر ویت نام اور افغانستان کا تجربہ شاہد ہے کہ گوریلا جنگ جیتی نہیں جاسکتی (خصوصاً جب اس کی پشت پر آپ کے طاقتور دشمن موجود ہوں) لہٰذا ملک بچانے کے لیے اس خانہ جنگی سے نجات بہر حال ضروری ہے۔

۶۔ اس حوالے سے علماء کرام اور دینی جماعتوں کا کردار کیا ہونا چاہیے؟ ہماری تجویز یہ ہے کہ وہ مل کر:

۔ حکومت پر صحیح طرزِ عمل اختیار کرنے کے لیے دباؤ ڈالیں۔

۔ معاشرے میں مغربی فکر وتہذیب کے غلبے کے خاتمے اور عوام کو اسلامی تعلیمات پر عمل پر ابھارنے کے لیے جدوجہد کریں۔

☆ اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ فرد کی تعمیر شخصیت و کردار پر محنت کریں۔اس کے لیے جدید تعلیم اور دینی مدارس کی تعلیم کی اصلاح کے بعد ان کا فروغ اور میڈیا کی اصلاح اور اس کا صحیح استعمال ضروری ہے تاکہ فرد کی صحیح ذہن سازی اور تربیت ہو(یہی بات اگر شرعی اصطلاحات میں بیان کی جائے تو کہا جائے گا کہ تعلیم کتاب وحکمت سے ایمان کی آبیاری کی جائے اور تزکیۂ نفس کا اہتمام کیا جائے)۔

☆ معاشرے کی اصلاح پر توجہ مرکوز کی جائے اور معاشرتی قوتوں کو منظم کر کے وہ کام کیے جائیں جو ریاستی قوت نہیں کر رہی مثلاً تعمیر فرد کے لیے تعلیم اور میڈیا کا صحیح استعمال اور معاشرے کی اصلاح ،عوام کے مصائب کم کرنے اور نفاذ شریعت کے لیے مسجد کو مرکز بنا کر افلاس کے خاتمے، فراہمی عدل وانصاف اور بحالیٔ امن وامان کے لیے منظم کوششیں کی جائیں۔

☆ پاکستان کو درحقیقت ایک ثقافتی انقلاب کی ضرورت ہے تاکہ اسلامی تناظر میں ایمانی وفکری تربیت کے نتیجے میں افراد کے دل ودماغ اسلام پر عمل کے لیے مفتوح ہو جائیں اور معاشرہ اسلامی تبدیلی کے لیے تیار اور متحرک ہو جائے خواہ ریاستی قوت اس کا ساتھ دے یا نہ دے۔

☆ ریاستی سطح پر کامیاب سیاسی پیش رفت کے لیے دینی سیاسی قوتوں کو اپنی پالیسیوں پر نظر ثانی کرنی چاہیے اور اپنی خامیوں اور ناکامیوں پر قابو پانے کی جدوجہد کرنی چاہیے۔

ھذا من عندنا و العلم عند اللہ

شمع جلتی رہے

البرہان محض ایک جریدہ نہیں ایک مشن ہے۔اگر آپ کو اس کے مضامین سے دلچسپی ہے تو کوشش کیجیے کہ یہ شمع جلتی رہے اور یہ شمع تبھی جلتی رہے گی جب آپ اس میں اپنے حصے کا تیل ڈالتے رہیں گے۔خود بھی البرہان کے خریدار بنئے اور دوسروں کو بھی بنائیے۔

زرِ اعانت سالانہ 400روپے تاحیات 5000روپے

نام.................................. پتہ..................................

فون..................................

چیک اور منی آرڈر بنام تحریک اصلاح تعلیم ٹرسٹ 136 نیلم بلاک، اقبال ٹاؤن، لاہور بھجوایئے

ٹرسٹ کو دیے جانے والے عطیات ٹیکس سے مستثنیٰ ہیں

(ضمیمہ ا)

اسلامی حکومت کے بنیادی اصولوں کے حوالے سے ۱۹۵۱ء میں سارے مکاتب فکر کے علماء کی طرف سے متفقہ طور پر منظور کردہ

۱۳۱ علماء کرام کے ۲۲ نکات

ایک مدتِ دراز سے اسلامی دستورِ مملکت کے بارے میں طرح طرح کی غلط فہمیاں لوگوں میں پھیلی ہوئی ہیں۔ اسلام کا کوئی دستورِ مملکت ہے بھی یا نہیں؟ اگر ہے تو اس کے اصول کیا ہیں اور اس کی عملی شکل کیا ہو سکتی ہے؟ اور کیا اصول اور عملی تفصیلات میں کوئی چیز بھی ایسی ہے جس پر مختلف اسلامی فرقوں کے علماء متفق ہو سکیں؟ یہ ایسے سوالات ہیں جن کے متعلق عام طور پر ایک ذہنی پریشانی پائی جاتی ہے اور اس ذہنی پریشانی میں ان مختلف دستوری تجویزوں نے اور بھی اضافہ کر دیا ہے جو مختلف حلقوں کی طرف سے اسلام کے نام پر وقتاً فوقتاً پیش کی گئیں۔ اس کیفیت کو دیکھ کر یہ ضرورت محسوس کی گئی کہ تمام اسلامی فرقوں کے چیدہ اور معتمد علماء کی ایک مجلس منعقد کی جائے اور وہ بالاتفاق صرف اسلامی دستور کے بنیادی اصول ہی بیان کرنے پر اکتفا نہ کرے بلکہ ان اصولوں کے مطابق ایک ایسا دستوری خاکہ بھی مرتب کر دے جو تمام اسلامی فرقوں کے لیے قابل قبول ہو۔

اس غرض کے لیے ایک اجتماع بتاریخ ۱۲، ۱۳، ۱۴ اور ۱۵ ربیع الثانی ۱۳۷۰ھ مطابق ۲۱، ۲۲، ۲۳ اور ۲۴ جنوری ۱۹۵۱ء بصدارت مولانا سید سلیمان ندوی کراچی میں منعقد ہوا۔ اس اجتماع میں اسلامی دستور کے جو بنیادی اصول بالاتفاق طے ہوئے انہیں فائدہ عام کے لیے شائع کیا جا رہا ہے۔

اسلامی مملکت کے بنیادی اصول

اسلامی مملکت کے دستور میں حسبِ ذیل اصول کی تصریح لازمی ہے:

۱۔ اصل حاکم تشریعی و تکوینی حیثیت سے اللہ رب العالمین ہے۔

۲۔ ملک کا قانون کتاب و سنت پر مبنی ہوگا اور کوئی ایسا قانون نہ بنایا جا سکے گا، نہ کوئی ایسا انتظامی

حکم دیا جاسکے گا، جو کتاب وسنت کے خلاف ہو۔

(تشریحی نوٹ) اگر ملک میں پہلے سے کچھ ایسے قوانین جاری ہوں جو کتاب وسنت کے خلاف ہوں تو اس کی تصریح بھی ضروری ہے کہ وہ بتدریج ایک معینہ مدت کے اندر منسوخ یا شریعت کے مطابق تبدیل کردیئے جائیں گے۔

۳۔ مملکت کسی جغرافیائی، نسلی، لسانی یا کسی اور تصور پر نہیں بلکہ ان اصولوں ومقاصد پر مبنی ہوگی جن کی اساس اسلام کا پیش کیا ہوا ضابطۂ حیات ہے۔

۴۔ اسلامی مملکت کا یہ فرض ہوگا کہ قرآن وسنت کے بتائے ہوئے معروفات کو قائم کرے، منکرات کو مٹائے اور شعائر اسلامی کے احیاء واعلاء اور مسلمہ اسلامی فرقوں کے لیے ان کے اپنے مذہب کے مطابق ضروری اسلامی تعلیم کا انتظام کرے۔

۵۔ اسلامی مملکت کا یہ فرض ہوگا کہ وہ مسلمانان عالم کے رشتہ واتحاد واخوت کو قوی سے قوی تر کرنے اور ریاست کے مسلم باشندوں کے درمیان عصبیت جاہلیہ کی بنیادوں پر نسلی، لسانی، علاقائی یا دیگر مادی امتیازات کے ابھرنے کی راہیں مسدود کرکے ملتِ اسلامیہ کی وحدت کے تحفظ واستحکام کا انتظام کرے۔

۶۔ مملکت بلا امتیاز مذہب ونسل وغیرہ تمام ایسے لوگوں کی لابدی انسانی ضروریات یعنی غذا، لباس، مسکن، معالجہ اور تعلیم کی کفیل ہوگی جو اکتساب رزق کے قابل نہ ہوں، یا نہ رہے ہوں یا عارضی طور پر بے روزگاری، بیماری یا دوسری وجوہ سے فی الحال سعئ اکتساب پر قادر نہ ہوں۔

۷۔ باشندگان ملک کو وہ تمام حقوق حاصل ہوں گے جو شریعت اسلامیہ نے ان کو عطا کیے ہیں یعنی حدودِ قانون کے اندر تحفظ جان و مال وآبرو، آزادئ مذہب ومسلک، آزادئ عبادت، آزادئ اظہارِ رائے، آزادئ نقل وحرکت، آزادئ اجتماع، آزادئ اکتساب رزق، ترقی کے مواقع میں یکسانی اور رفاہی ادارات سے استفادہ کا حق۔

۸۔ مذکورہ بالا حقوق میں سے کسی شہری کا کوئی حق اسلامی قانون کی سندِ جواز کے بغیر کسی وقت سلب نہ کیا جائے گا اور کسی جرم کے الزام میں کسی کو بغیر فراہمئ موقعۂ صفائی وفیصلۂ عدالت کوئی سزا نہ دی جائے گی۔

۹۔ مسلّمہ اسلامی فرقوں کو حدودِ قانون کے اندر پوری مذہبی آزادی حاصل ہوگی۔ انہیں اپنے

پیروؤں کو اپنے مذہب کی تعلیم دینے کا حق حاصل ہوگا۔ وہ اپنے خیالات کی آزادی کے ساتھ اشاعت کر سکیں گے۔ ان کے شخصی معاملات کے فیصلے ان کے اپنے فقہی مذہب کے مطابق ہوں گے اور ایسا انتظام کرنا مناسب ہوگا کہ انہیں کے قاضی یہ فیصلہ کریں۔

۱۰۔ غیر مسلم باشندگانِ مملکت کو حدودِ قانون کے اندر مذہب و عبادت، تہذیب و ثقافت اور مذہبی تعلیم کی پوری آزادی حاصل ہوگی اور انہیں اپنے شخصی معاملات کا فیصلہ اپنے مذہبی قانون یا رسم و رواج کے مطابق کرانے کا حق حاصل ہوگا۔

۱۱۔ غیر مسلم باشندگانِ مملکت سے حدودِ شریعہ کے اندر جو معاہدات کیے گئے ہوں ان کی پابندی لازمی ہوگی اور جن حقوق شہری کا ذکر دفعہ نمبر ۷ میں کیا گیا ہے ان میں غیر مسلم باشندگانِ ملک اور مسلم باشندگانِ ملک سب برابر کے شریک ہوں گے۔

۱۲۔ رئیس مملکت کا مسلمان مرد ہونا ضروری ہے جس کے تدین، صلاحیت اور اصابتِ رائے پر جمہور کے منتخب نمائندوں کو اعتماد ہو۔

۱۳۔ رئیس مملکت ہی نظمِ مملکت کا اصل ذمہ دار ہوگا۔ البتہ وہ اپنے خیالات کا کوئی جز و کسی فرد یا جماعت کو تفویض کر سکتا ہے۔

۱۴۔ رئیس مملکت کی حکومت مستبدانہ نہیں بلکہ شورائی ہوگی۔ یعنی وہ ارکانِ حکومت اور منتخب نمائندگانِ جمہور سے مشورہ لے کر اپنے فرائض انجام دے گا۔

۱۵۔ رئیس مملکت کو یہ حق حاصل نہ ہوگا کہ وہ دستور کو کلاً یا جزواً معطل کر کے شوریٰ کے بغیر حکومت کرنے لگے۔

۱۶۔ جو جماعت رئیس مملکت کے انتخاب کی مجاز ہوگی وہی کثرت آراء سے اسے معزول کرنے کی بھی مجاز ہوگی۔

۱۷۔ رئیس مملکت شہری حقوق میں عامۃ المسلمین کے برابر ہوگا اور قانونی مواخذہ سے بالاتر نہ ہوگا۔

۱۸۔ ارکان و عمالِ حکومت اور عام شہریوں کے لیے ایک ہی قانون وضابطہ ہوگا اور دونوں پر عام عدالتیں ہی اس کو نافذ کریں گی۔

۱۹۔ محکمۂ عدلیہ، محکمۂ انتظامیہ سے علیحدہ اور آزاد ہوگا تا کہ عدلیہ اپنے فرائض کی انجام دہی میں

ہیئتِ انتظامیہ سے اثر پذیر نہ ہو۔

۲۰۔ ایسے افکار و نظریات کی تبلیغ و اشاعت ممنوع ہوگی جو مملکت اسلامیہ کے اساسی اصول و مبادی کے انہدام کا باعث ہوں۔

۲۱۔ ملک کے مختلف ولایات و اقطاع مملکت واحدہ کے اجزاء انتظامی متصور ہوں گے۔ ان کی حیثیت نسلی، لسانی، یا قبائلی واحدہ جات کی نہیں محض انتظامی علاقوں کی ہوگی جنہیں انتظامی سہولتوں کے پیش نظر مرکز کی سیادت کے تابع انتظامی اختیارات سپرد کرنا جائز ہوگا مگر انہیں مرکز سے علیحدگی کا حق حاصل نہ ہوگا۔

۲۲۔ دستور کی کوئی ایسی تعبیر معتبر نہ ہوگی جو کتاب و سنت کے خلاف ہو۔

اسمائے گرامی حضرات شرکائے مجلس

۱۔ (علامہ) سلیمان ندوی (صدر مجلس ہٰذا)

۲۔ (مولانا) سید ابوالاعلیٰ مودودی (امیر جماعت اسلامی پاکستان)

۳۔ (مولانا) شمس الحق افغانی (وزیر معارف۔ ریاست قلات)

۴۔ (مولانا) محمد بدر عالم (استاذ الحدیث۔ دار العلوم الاسلامیہ اشرف آباد۔ ٹنڈو اللہ یار۔ سندھ)

۵۔ (مولانا) احتشام الحق تھانوی (مہتمم دار العلوم الاسلامیہ اشرف آباد۔ سندھ)

۶۔ (مولانا) محمد عبد الحامد قادری بدایونی (صدر جمعیۃ العلماء پاکستان۔ سندھ)

۷۔ (مفتی) محمد شفیع (رکن بورڈ آف تعلیماتِ اسلامیہ، مجلس دستور ساز پاکستان)

۸۔ (مولانا) محمد ادریس (شیخ الجامعہ۔ جامع عباسیہ بہاولپور)

۹۔ (مولانا) خیر محمد (مہتمم۔ مدرسہ خیر المدارس۔ ملتان شہر)

۱۰۔ (مولانا مفتی) محمد حسن (مہتمم مدرسہ اشرفیہ۔ نیلا گنبد۔ لاہور)

۱۱۔ (پیر صاحب) محمد امین الحسنات (مانکی شریف۔ سرحد)

۱۲۔ (مولانا) محمد یوسف بنوری (شیخ التفسیر۔ دار العلوم اسلامیہ، اشرف آباد۔ سندھ)

۱۳۔ (الحاج) خادم الاسلام محمد امین (خلیفہ حاجی ترنگ زئی، مجاہد آباد۔ پشاور۔ صوبہ سرحد)

۱۴۔(قاضی)عبدالصمدسر بازی(قاضی قلات۔بلوچستان)

۱۵۔(مولانا)اطہرعلی(صدر عامل جمعیۃ العلماءاسلام۔مشرقی پاکستان)

۱۶۔ (مولانا)ابوجعفرمحمدصالح(امیر جمعیت حزب اللہ مشرقی پاکستان)

۱۷۔ (مولانا)راغب احسن(نائب صدر جمعیۃ العلماءاسلام مشرقی پاکستان)

۱۸۔ (مولانا)محمدحبیب الرحمن(نائب صدر جمعیۃ المدرسین،سرسینہ شریف۔مشرقی پاکستان)

۱۹۔(مولانا)محمدعلی جالندھری(مجلس احرار اسلام پاکستان)

۲۰۔(مولانا)داؤدغزنوی(صدر جمعیۃ اہل حدیث۔مغربی پاکستان)

۲۱۔(مفتی)جعفرحسین مجتہد(رکن بورڈ آف تعلیمات اسلامیہ۔مجلس دستورساز پاکستان)

۲۲۔(مفتی حافظ)کفایت حسین مجتہد(ادارہ عالیہ تحفظ حقوقِ شیعہ پاکستان،لاہور)

۲۳۔(مولانا)محمداسماعیل(ناظم جمعیت اہل حدیث پاکستان گوجرانوالہ)

۲۴۔(مولانا)حبیب اللہ(جامعہ دینیہ دارالہدیٰ۔ٹیڑھی،خیر پورمیرس)

۲۵۔(مولانا)احمدعلی(امیر انجمن خدام الدین شیرانوالہ دروازہ۔لاہور)

۲۶۔(مولانا)محمدصادق(مہتمم مدرسہ مظہرالعلوم۔کھڈہ۔کراچی)

۲۷۔(پروفیسر)عبدالخالق(رکن بورڈ آف تعلیماتِ اسلامیہ،مجلس دستورساز پاکستان)

۲۸۔(مولانا)شمس الحق فریدپوری(صدر مہتمم مدرسہ اشرف العلوم۔ڈھاکہ)

۲۹۔ (مفتی)محمدصاحبدادعفی عنہ(سندھ مدرستہ الاسلام۔کراچی)

۳۰۔ (مولانا)محمدظفر احمد انصاری (سیکرٹری بورڈ آف تعلیماتِ اسلامیہ، مجلس دستور ساز پاکستان)

۳۱۔(پیرصاحب)محمدہاشم مجددی(ٹنڈوسائیں داد۔سندھ)

مسلمان دین پرلڑ سکتے ہیں

مسلمان دین پر مر سکتے ہیں
مگر افسوس کہ مسلمان دین پر چل نہیں سکتے۔

(ضمیمہ ۲)

تمام مسالک کے ۷۵ علماء کا نفاذِ شریعت کے ۱۵ نکات پر اتفاق

[ملی مجلس شرعی کے زیرِ اہتمام تمام دینی مسالک کے علمائے کرام نے لاہور میں ۲۴ ستمبر ۲۰۱۱ء کو متفقہ طور پر نفاذِ شریعت کے مندرجہ ذیل ۱۵ نکات پر ایک قرارداد کی صورت میں اتفاق کیا]۔

''چونکہ اسلامی تعلیمات کا یہ تقاضا ہے کہ مسلمان اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی قرآن وسنت کے مطابق گزاریں اور پاکستان اسی لئے بنایا گیا تھا کہ یہ اسلام کا قلعہ اور تجربہ گاہ بنے لہٰذا 1951ء میں سارے دینی مکاتب فکر کے معتمد علیہ 31 علماء کرام نے عصر حاضر میں ریاست وحکومت کے اسلامی کردار کے حوالے سے جو 22 نکات تیار کیے تھے انہوں نے اسلامی جمہوریہ پاکستان کے دستور کو ٹھوس بنیادیں فراہم کیں اور ان کی روشنی میں پاکستان کو ایک اسلامی ریاست بنانے کے حوالے سے کئی دستوری انتظامات بھی کر دیے گئے لیکن ان میں سے اکثر زینت قرطاس بنے ہوئے ہیں اور ان پر کوئی عمل درآمد نہیں ہو سکا۔ مزید برآں کچھ اور دستوری خلا بھی سامنے آئے ہیں جو پاکستان کو ایک اسلامی ریاست بنانے کی راہ میں رکاوٹ بنے ہوئے ہیں چنانچہ نفاذ شریعت کے حوالے سے حکومتی تساہل پسندی کا نتیجہ یہ سامنے آیا ہے کہ پاکستان کے شمال مغربی سرحدی قبائلی علاقوں کے بعض عناصر نے بزورِ قوت شریعت کی من مانی تعبیرات کو نافذ کرنے کے لیے مسلح جدوجہد کا آغاز کیا۔ اس مسلح جدوجہد کے شرکاء نے ایک طرح سے حکومتی رٹ کو چیلنج کر دیا جب کہ اس صورت حال کو امریکہ اور اس کے اتحادیوں نے دہشتگردی کے ساتھ نتھی کر کے افواج پاکستان کو اس مسلح جدوجہد کے شرکاء کے سامنے لا کھڑا کیا اور یوں دونوں طرف سے ایک دوسرے کے ہاتھوں مسلمانوں کا ہی خون بہہ رہا ہے حالانکہ یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ ان سرگرمیوں کی پشت پناہی بھی خود امریکہ، بھارت اور اسرائیل ہی کر رہے ہیں۔ پاکستان کے دیگر پُر

امن علاقے بھی اس جنگ کے اثرات سے محفوظ نہیں ہیں تقریباً تمام بڑے شہروں میں آئے دن دہشتگر دی اور خود کش حملوں کی وارداتیں ہوتی رہتی ہیں جن میں اب تک ہزاروں معصوم شہری اپنی جانیں گنوا بیٹھے ہیں۔ یہ صورت حال تقاضا کرتی ہے کہ تمام مکاتب فکر کے نمائندہ علماء کرام ایک مرتبہ پھر مل بیٹھیں اور باہمی غور وفکر اور اتفاق رائے سے ان اُمور کی نشاندہی کر دیں جن کی وجہ سے پاکستان ابھی تک ایک مکمل اسلامی ریاست نہیں بن سکا اور نہ ہی یہاں نفاذ شریعت کا کام پایۂ تکمیل تک پہنچ سکا ہے۔ تمام مکاتب فکر کے نمائندہ علماء کرام کی یہ کوشش اس مرحلہ پر اس لیے ناگزیر ہے کہ ان کی اس کوشش سے ہی نہ صرف ان اسباب کی نشاندہی ہوگی جو نفاذ شریعت کی راہ میں رکاوٹ بنے ہوئے ہیں بلکہ نفاذ شریعت کے لیے متفقہ رہنما اصولوں کے ذریعے وہ سمت اور راستہ بھی متعین ہو جائے گا جس پر چل کر یہ منزل حاصل کی جاسکتی ہے۔ دراصل نفاذ شریعت کی منزل کا حصول ہی اس بات کی ضمانت فراہم کرسکتا ہے کہ آئندہ پاکستان کے کسی علاقے سے نفاذ شریعت کے نام پر مسلح جارحیت کا ارتکاب اور حکومتی رٹ کو چیلنج نہ کیا جاسکے چنانچہ اس حوالے سے تجویز کیے گئے اقدامات پیش خدمت ہیں:

۱۔ شریعت پر عمل سب کی ذمہ داری ہے

ہمارے حکمرانوں کی یہ شرعی ذمہ داری ہے کہ وہ فرد کو بھی شریعت پر عمل کے قابل بنائیں اور معاشرے اور ریاست کو بھی شریعت کے مطابق چلائیں۔ دینی عناصر کا بھی فرض ہے کہ وہ دعوت واصلاح اور تبلیغ وتذکیر کے ذریعے فرد کی بھی تربیت کریں، حکمرانوں پر بھی دباؤ ڈالیں کہ وہ اپنی دینی ذمہ داریاں پوری کریں اور جہاں تک قانون اجازت دے خود بھی نفاذِ شریعت کے لئے ضروری اقدامات کریں۔ اسی طرح ہر مسلمان کی یہ ذاتی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں اسلامی تعلیمات پر عمل کرے۔

۲۔ ۲۲ نکات کی مرکزی حیثیت

یہ کہ پاکستان میں نفاذِ شریعت کی بنیاد ۱۹۵۱ء میں سارے مکاتب فکر کے علماء کرام کی طرف سے متفقہ طور پر منظور کردہ ۲۲ نکات ہیں اور موجودہ دستاویز کے ۱۵ نکات کی حیثیت بھی ان کی تفریع اور تشریح کی ہے۔

۳۔ نفاذ شریعت بذریعہ پُرامن جدوجہد اور بمطابق متفقہ راہنما نکات

یہ کہ پاکستان میں شریعت کا نفاذ پرامن جدوجہد کے ذریعے ہونا چاہیے کیونکہ یہی اسلامی تعلیمات اور دستور پاکستان کا مشترکہ تقاضا ہے اور عملاً بھی اس کے امکانات موجود ہیں۔ نیز شریعت کا نفاذ سارے

دینی مکاتب فکر کی طرف سے منظور شدہ متفقہ راہنما اصولوں کے مطابق ہونا چاہیے (یہ ۱۵ نکات اس قرارداد کا حصہ ہیں) اور کسی گروہ یا جماعت کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اپنی مرضی کا اسلام سارے معاشرے پر قوت سے ٹھونس دے۔

۴۔ دستوری اصلاحات

دستور پاکستان کے قابل نفاذ حصے میں بصراحت یہ لکھا جائے کہ قرآن وسنت مسلمانوں کا سپریم لاء ہے اور اس تصریح سے متصادم قوانین کو منسوخ کر دیا جائے۔ یہ دستوری انتظام بھی کیا جائے کہ عدلیہ کی طرف سے دستور کی کوئی ایسی تعبیر معتبر نہ ہوگی جو کتاب وسنت کے خلاف ہو اور دستور کی کسی بھی شق اور مقننہ، عدلیہ اور انتظامیہ کے کسی بھی فیصلے کو کتاب وسنت کے خلاف ہونے کی صورت میں اعلیٰ عدالتوں میں چیلنج کیا جا سکے۔ نیز ان دستوری دفعات کو دستور میں بنیادی اور ناقابل تنسیخ دفعات قرار دیا جائے۔ آئین توڑنے سے متعلق دفعہ 6A اور عوامی نمائندوں کی اہلیت سے متعلق دفعات 63,62 کو مؤثر اور ان پر عمل درآمد کو یقینی بنایا جائے۔ کسی بھی ریاستی یا حکومتی عہدیدار کی قانون سے بالاتر حیثیت اور استثنیٰ پر مبنی دستوری شقوں کا خاتمہ کیا جائے۔

وفاقی شرعی عدالت اور سپریم کورٹ کے شریعت اپیلنٹ بنچ کے جج صاحبان کو دیگر اعلیٰ عدالتوں کے جج صاحبان کی طرح باقاعدہ جج کی حیثیت دی جائے اور ان کے سٹیٹس اور شرائط تقرری وملازمت کو دوسری اعلیٰ عدالتوں کے جج صاحبان کے سٹیٹس اور شرائط تقرری وملازمت کے برابر لایا جائے۔ بعض قوانین کو وفاقی شرعی عدالت کے دائرہ اختیار سے مستثنیٰ قرار دینے کے فیصلوں پر نظر ثانی کی جائے اور وفاقی شرعی عدالت کو ملک کے کسی بھی قانون پر نظر ثانی کا اختیار دیا جائے۔ وفاقی شرعی عدالت اور شریعت اپیلنٹ بنچ کو آئینی طور پر پابند کیا جائے کہ وہ مناسب وقت (Time frame) کے اندر شریعت پٹیشنوں اور شریعت اپیلوں کا فیصلہ کر دیں۔ وفاقی شرعی عدالت اور سپریم کورٹ کی طرح صوبائی، ضلعی اور تحصیل سطح کی عدالتوں میں بھی علماء ججوں کا تقرر کیا جائے اور آئین میں جہاں قرآن و سنت کے بالاتر قانون ہونے کا ذکر ہے وہاں نبی کریم ﷺ کے شارع ہونے کا ذکر بھی کیا جائے۔ حکومت اسلامی نظریاتی کونسل میں تمام مکاتب فکر کے جید علماء بطور رکن نامزد کرے۔ ہر مکتبہ فکر اپنا نمائندہ اپنے حلقوں سے مشاورت کے بعد تجویز کرے۔ نفاذِ شریعت کے حوالے سے جن نکات پر ارکان کی اکثریت کا اتفاق ہو جائے حکومت چھ ماہ کے اندر اسے قانون بنا کر پاس کرنے کی پابند ہو۔

۵۔ موجودہ اسلامی قوانین پر مؤثر عمل درآمد

پاکستان کے قانونی ڈھانچے میں پہلے سے موجود اسلامی قوانین پر مؤثر طریقے سے عمل درآمد کیا جائے اور اسلامی عقوبات کے نفاذ کے ساتھ ساتھ مؤثر اصلاحی کوششیں بھی کی جائیں۔

۶۔ بنیادی ضروریات زندگی کی فراہمی

اسلامی اصول و اقدار کے مطابق عوام کو بنیادی ضروریات وسہولیات زندگی مثلاً روٹی، کپڑا، مکان، علاج معالجہ اور تعلیم فراہم کرنے، غربت و جہالت کے خاتمے اور عوامی مشکلات ومصائب دور کرنے اور پاکستانی عوام کو دنیا میں عزت اور وقار کی زندگی گزارنے کے قابل بنانے کو اولین ریاستی ترجیح بنایا جائے۔

۷۔ سیاسی اصلاحات

موجودہ سیاسی نظام کی اسلامی تعلیمات کے مطابق اصلاح کی جائے مثلاً عوامی نمائندگی میں سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کی حوصلہ شکنی اور غریب اور متوسط طبقے کی نمائندگی کی حوصلہ افزائی کے لیے ٹھوس عملی اقدامات کیے جائیں نمائندگی کے لیے شرعی شہادت کی اہلیت کو لازمی شرط قرار دیا جائے۔ متناسب نمائندگی کا طریقہ اپنایا جائے۔ علاقائی، نسلی، لسانی اور مسلکی تعصّبات کی بنیاد پر قائم ہونے والی سیاسی جماعتوں پر پابندی لگائی جائے اور قومی یکجہتی کے فروغ کے لیے مناسب پالیسیاں اور ادارے بنائے جائیں۔

۸۔ نظام تعلیم کی اصلاح

تعلیمی نظام کی اسلامی تناظر میں اصلاح کے لیے قومی تعلیمی پالیسی اور نصابات کو اسلامی اور قومی سوچ کے فروغ کے لیے تشکیل دیا جائے جس سے یکساں نظام تعلیم کی حوصلہ افزائی اور طبقاتی نظام تعلیم کا خاتمہ ہو، اساتذہ کی نظریاتی تربیت کی جائے اور تعلیمی اداروں کا ماحول بہتر بنایا جائے۔ مخلوط تعلیم ختم کی جائے اور مغربی لباس کی پابندی اور امور تعلیم میں مغرب کی اندھی نقالی کی روش ختم کی جائے۔ تعلیم کا معیار بلند کیا جائے۔ پرائیویٹ تعلیمی اداروں کو قومی نصاب اپنانے کا پابند بنانے اور ان کی نگرانی کا مؤثر نظام وضع کرنے کے لیے قانون سازی کی جائے۔ تعمیر سیرت اور کردار سازی کو بنیادی اہمیت دی جائے۔ تعلیم سے ثنویت کا خاتمہ کیا جائے۔ دینی مدارس کے نظام کو مزید مؤثر ومفید بنانے اور اسے عصری تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کے لیے ضروری قدامات کیے جائیں تاکہ بین المسالک ہم آہنگی کو فروغ

ملے اور فرقہ واریت میں کمی واقع ہو دینی مدارس کی ڈگریوں کو تسلیم کیا جائے۔ تعلیم کے لئے وافر فنڈز مہیا کئے جائیں۔ ملک میں کم از کم میٹرک تک لازمی مفت تعلیم رائج کی جائے اور چائلڈ لیبر کا خاتمہ کیا جائے۔

۹۔ ذرائع ابلاغ کی اصلاح

ذرائع ابلاغ کی اصلاح کی جائے۔ اسلامی تناظر میں نئی ثقافتی پالیسی وضع کی جائے جس میں فحاشی وعریانی کو فروغ دینے والے مغربی و بھارتی ملحدانہ فکر وتہذیب کے اثرات ور جحانات کو رد کر دیا جائے۔ صحافیوں کے لئے ضابطۂ اخلاق تیار کیا جائے اور ان کی نظریاتی تربیت کی جائے۔ پرائیویٹ چینلز اور کیبل آپریٹرز کی مؤثر نگرانی کی جائے۔ اسلام اور پاکستان کے نظریاتی تشخص کے خلاف پروگراموں پر پابندی ہونی چاہیئے بلکہ تعمیری انداز میں عوام کے اخلاق سدھارنے اور انہیں اسلامی تعلیمات پر عمل کی ترغیب دینے والے پروگرام پیش کیے جائیں اور صاف ستھری تفریح مہیا کی جائے۔

۱۰۔ معیشت

پاکستان کی معیشت کو مضبوط بنانے اور افلاس اور مہنگائی کے خاتمے کے لیے ٹھوس عملی اقدامات کیے جائیں جیسے جاگیرداری اور سرمایہ دارانہ رجحانات کی حوصلہ شکنی کرنا، شعبہ زراعت میں ضروری اصلاحات کو اولین حکومتی ترجیح بنانا، تقسیم دولت کے نظام کو منصفانہ بنانا اور اس کا بہاؤ امیروں سے غریبوں کی طرف موڑنا۔ بیرونی قرضوں اور درآمدات کی حوصلہ شکنی کرنا اور زرمبادلہ کے ذخائر کو بڑھانے کے لیے مؤثر منصوبہ بندی کرنا۔ معاشی خود کفالت کے لئے جدوجہد کرنا اور عالمی معاشی اداروں کی گرفت سے معیشت کو نکالنا۔ سود اور اسراف پر پابندی اور سادگی کو رواج دینا۔ ٹیکسز اور محاصل کے نظام کو مؤثر بنایا جائے اور بینکوں کو پابند کیا جائے کہ وہ بڑے قرضوں کے اجراء کے ساتھ ساتھ مائیکرو کریڈٹ کا بھی اجراء کریں تاکہ غریب اور ضرورت مند لوگ ان بلاسود قرضوں کے ذریعے اپنی معاشی حالت بہتر کر سکیں نیز قرضوں کو بطور سیاسی رشوت دینے پر قانونی پابندی عائد کی جائے۔ زکوٰۃ اور عشر کی وصولی اور تقسیم کے نظام کو بہتر بنایا جائے۔ دستور پاکستان کے آرٹیکل 38 میں درج عوام کی معاشی اور معاشرتی فلاح و بہبود کے متعلقہ اُمور کی تکمیل کے لیے حکومت خود اور نجی شعبے کے اشتراک سے فوری طور پر ٹھوس قدامات کرے۔ لوٹ مار سے حاصل کردہ اور بیرون ملک بینکوں میں جمع خطیر رقوم کی وطن واپسی کو یقینی بنایا جائے۔

۱۱۔ عدلیہ

عدلیہ کی بالفعل آزادی کو یقینی بنایا جائے اور اسے انتظامیہ سے الگ کیا جائے۔ اسلامی تناظر میں

نظام عدل کی اصلاح کے لئے قانون کی تعلیم، ججوں، وکیلوں، پولیس اور جیل سٹاف کے کردار کو اسلامی اصولوں سے ہم آہنگ کرنے کے لئے ضروری اقدامات کیے جائیں۔ انصاف سستا اور فوری ہونا چاہیے۔

۱۲۔ امن وامان

امن وامان کی بحالی اور لوگوں کے جان و مال کا تحفظ ریاست کی بنیادی ذمہ داری ہے۔ حکومت کو ان مقاصد کے حصول کے لئے ہر ممکن قدم اٹھانا چاہئے۔

۱۳۔ خارجہ پالیسی

خارجہ پالیسی کو متوازن بنایا جائے۔ تمام عالمی طاقتوں کے ساتھ دوستانہ تعلقات رکھے جائیں اور اپنی قومی خودمختاری کا تحفظ کیا جائے۔ اپنے ایٹمی اثاثوں کے تحفظ پر کوئی سمجھوتہ نہ کیا جائے۔ مسلمانان عالم کے رشتہ اخوت واتحاد کو قوی تر کرنے کے لیے او آئی سی کو فعال بنانے میں پاکستان اپنا کردار ادا کرے۔

۱۴۔ افواج پاکستان

افواج میں روح جہاد پیدا کرنے کے لئے سپاہیوں اور افسروں کی دینی تعلیم وتربیت کا اہتمام ہونا چاہیے۔ بنیادی فوجی تربیت ہر مسلم نوجوان کے لئے لازمی ہونی چاہیے۔ فوجی افسروں کی اس غرض سے خصوصی تربیت کی جائے کہ ان کا فرض ملک کا دفاع ہے نہ کہ حکومت چلانا۔ بیوروکریسی کی تربیت بھی اسلامی تناظر میں ہونی چاہیے تاکہ ان کے ذہنوں میں یہ راسخ ہو جائے کہ وہ عوام کے خادم ہیں حکمران نہیں۔

۱۵۔ امر بالمعروف ونہی عن المنکر

امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے لئے ایک آزاد اور طاقتور ریاستی ادارہ قائم کیا جائے جو ملک میں اسلامی معروفات اور نیکیوں کے فروغ اور منکرات و برائیوں کے خاتمے کے لئے کام کرے اور معاشرے میں ایسا ماحول پیدا کرے جس میں نیکی پر عمل آسان اور برائی پر عمل مشکل ہو جائے اور شعائر اسلامی کا احیاء واعلاء ہو اور دستور کے آرٹیکل 31 میں جن امور کا ذکر کیا گیا ہے ان پر مؤثر عمل درآمد ہو سکے۔ دفاع اسلام خصوصاً اسلام کے بارے میں شکوک وشبہات کے ازالے اور مسلمانوں و غیر مسلموں تک مؤثر انداز میں دین پہنچانے کے لئے بھی حکومت پاکستان کو فنڈز مختص کرنے چاہئیں اور وسیع الاطراف کوششیں بروئے کار لانی چاہئیں۔

فہرست شرکاء 'اتحاد امت کانفرنس' ۲۴ ستمبر ۲۰۱۱ء جنہوں نے نفاذِ شریعت کے متفقہ ۱۵ نکات کی منظوری دی

1- مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی (دار العلوم کورنگی، کراچی)
2- مولانا مفتی محمد تقی عثمانی (دار العلوم کورنگی، کراچی)
3- سید منور حسن (امیر جماعت اسلامی پاکستان، منصورہ، لاہور)
4- پروفیسر مولانا ساجد میر (امیر مرکزی جمعیت اہل حدیث پاکستان، لاہور)
5- پروفیسر حافظ محمد سعید (امیر جماعت الدعوۃ پاکستان، لاہور)
6- مولانا مفتی محمد خان قادری (جامعہ اسلامیہ، لاہور)
7- مولانا محمد حنیف جالندھری (ناظم اعلیٰ، وفاق المدارس العربیہ، ملتان)
8- مولانا مفتی رفیق احمد (جامعۃ العلوم الاسلامیہ، علامہ بنوری ٹاؤن، کراچی)
9- مولانا عبد المالک (صدر رابطہ المدارس الاسلامیہ، منصورہ لاہور)
10- علامہ ڈاکٹر محمد حسین اکبر (ادارہ منہاج الحسین، لاہور)
11- مولانا راغب حسین نعیمی (جامعہ نعیمیہ، لاہور)
12- مولانا حافظ عبد الغفار روپڑی (امیر جماعت اہل حدیث پاکستان، لاہور)
13- مولانا محمد امجد خان (جمعیت علماء اسلام، لاہور)
14- مولانا زاہد الراشدی (الشریعہ اکیڈمی، گوجرانوالہ)
15- علامہ قاری محمد زوار بہادر (ناظم اعلیٰ، جمعیت علماء پاکستان، لاہور)
16- مولانا عبد الرؤف فاروقی (ناظم اعلیٰ جمعیت علماء اسلام، لاہور)
17- مولانا حافظ فضل الرحیم (نائب مہتمم جامعہ اشرفیہ، لاہور)
18- علامہ ڈاکٹر سید محمد مہدی (جامعہ المنتظر، لاہور)
19- علامہ احمد علی قصوری (امیر مرکز اہل سنت، لاہور)
20- پیر عبد الخالق قادری (آستانہ عالیہ درگاہ بھر چونڈی شریف، [سندھ])
21- مولانا حافظ غلام حیدر خادمی (جامعہ رحمانیہ رضویہ، سیالکوٹ)
22- مولانا مفتی شیر محمد خان (دار العلوم محمدیہ غوثیہ، بھیرہ [ضلع سرگودھا])
23- علامہ حسان الحیدری (حیدرآباد، سندھ)

24- مولانا خان محمد قادری (جامعہ محمدیہ غوثیہ، لاہور)
25- مولانا خلیل الرحمن قادری (ناظم اعلیٰ جامعہ اسلامیہ، لاہور)
26- علامہ محمد شہزاد مجددی (دارالاخلاص، لاہور)
27- علامہ محمد بوستان قادری (دارالعلوم محمدیہ غوثیہ، بھیرہ [ضلع سرگودھا])
28- ڈاکٹر فرید احمد پراچہ (ڈپٹی سیکرٹری جنرل جماعت اسلامی، منصورہ لاہور)
29- ڈاکٹر سید وسیم اختر (امیر جماعت اسلامی پنجاب، لاہور)
30- مولانا سید محمود الفاروقی (رابطۃ المدارس، پاکستان)
31- مولانا محمد ایوب بیگ (تنظیم اسلامی پاکستان، لاہور)
32- مولانا ڈاکٹر محمد امین (صفاء اسلامک سنٹر، لاہور)
33- صاحبزادہ علامہ محب اللہ نوری (جامعہ حنفیہ فریدیہ، اوکاڑہ)
34- مولانا مفتی محمد طاہر مسعود (جامعہ مفتاح العلوم، سرگودھا)
35- مولانا مفتی محمد طیب (جامعہ اسلامیہ امدادیہ، فیصل آباد)
36- مولانا ڈاکٹر قاری احمد میاں تھانوی (دارالعلوم الاسلامیہ، لاہور)
37- مولانا اللہ وسایا (عالمی مجلس تحفظِ ختمِ نبوت، ملتان)
38- مولانا مفتی محمد گلزار احمد قاسمی (جامعہ قاسمیہ، گوجرانوالہ)
39- مولانا قاری محمد طیب (جامعہ حنفیہ، وہاڑی)
40- مولانا رشید میاں (جامعہ مدنیہ، لاہور)
41- مولانا محمد یوسف خان (مدرسۃ الفیصل للبنات، لاہور)
42- مولانا عزیز الرحمن ثانی (عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت، لاہور)
43- مولانا رضوان نفیس (خانقاہ سید احمد شہید، لاہور)
44- مولانا قاری جمیل الرحمن اختر (جامعہ حنفیہ قادریہ، لاہور)
45- مولانا حافظ محمد نعمان (جامعہ الخیر جوہر ٹاؤن، لاہور)
46- مولانا قاری ثناء اللہ (امیر جمعیت علماء اسلام لاہور)
47- مولانا عبید اللہ عفیف (امیر جمعیت اہلحدیث پاکستان، لاہور)
48- مولانا سید ضیاء اللہ شاہ بخاری (ناظم اعلیٰ متحدہ جمعیت اہلحدیث پاکستان)
49- مولانا حافظ عبدالوہاب روپڑی (نائب امیر جماعت اہلحدیث پاکستان)

50- مولانا محمد شریف خان چنگوانی (نائب امیر مرکزی جمعیت اہلحدیث پاکستان)
51- پروفیسر محمد حماد لکھوی (خطیب جامع مسجد مبارک اہلحدیث، اسلامیہ کالج، لاہور)
52- مولانا ڈاکٹر حسن مدنی (مدیر ماہنامہ محدث، لاہور)
53- مولانا امیر حمزہ (کنوینر تحریکِ حرمتِ رسول، پاکستان)
54- مولانا قاری شیخ محمد یعقوب (جماعۃ الدعوۃ، لاہور)
55- مولانا رانا نصر اللہ (امیر مرکزی جمعیت اہلحدیث، لاہور)
56- محمد زاہد ہاشمی الازہری (ناظم اعلیٰ جماعت غرباء اہلحدیث، پنجاب)
57- علامہ حافظ کاظم رضا نقوی (تحریک اسلامی، اسلام آباد)

تعلیم و تربیت قاری محمد یوسف احمدی

تعلیم اور افغان طالبان کا موقف

[امارت اسلامیہ افغانستان کے ترجمان قاری محمد یوسف احمدی صاحب سے حال ہی میں معروف عربی جریدے ’الشرق الاوسط‘ نے ایک انٹرویو لیا، جس میں سے تعلیم سے متعلقہ حصے سوال و جواب کی بجائے مضمون کی شکل میں یہاں دیے جا رہے ہیں۔ اس میں پاکستانی حکمرانوں، ماہرین تعلیم اور عوام کے لیے سیکھنے کو بہت کچھ ہے۔ مدیر]

دینی و دنیاوی تعلیم کی وحدت

افغانستان کے مستقبل کی ترقی تعلیم کی بدولت دینی وعصری علوم کے مشترک نظام ہی سے ممکن ہے کیونکہ سائنس اور ٹیکنالوجی کے علوم پر ہمیں عبور حاصل نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج ترقی یافتہ ممالک ہمارے ملک پر فوج کشی کر رہے ہیں جو ہماری ملکی سلامتی اور استحکام کے لیے خطرہ بن چکے ہیں۔ ہم ایک ایسا تعلیمی نظام متعارف کرانے کی کوشش کریں گے جو دینی وعصری تقاضوں سے ہم آہنگ ہو تاکہ ہم قلیل وقت میں اپنی نئی نسل کو دنیا کے ترقی یافتہ ممالک کے برابر لا سکیں اور اس طرح سے ہم اپنے ملک کا نام دنیا میں علم اور تمدن کے حوالے سے بلند کر سکیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ تعلیم کے شعبے میں تعلیمی نظام کی ترقی کے لیے ایک ایسا نظام قائم کریں جو ہمارے ملک اور معاشرے کے تقاضوں کے مطابق ہو، ایک ایسا نظام جو مستقبل میں ہمارے ملک پر یلغار کی صورت میں ہمارے عوام کو دشمن کی نظریاتی جنگ کے اثرات سے محفوظ رکھے۔ حملہ آور قومیں ماضی میں بھی ہماری قربانیوں اور ہماری قوم کی مزاحمت کی بدولت نیست و

نابود ہوئیں اور آج بھی تباہی کے دہانے پر کھڑی ہیں۔

عورتوں کی تعلیم

عورت معاشرے کا آدھا حصہ ہے اور اسلام نے معاشرے میں اس کے حقوق متعین کیے ہیں اور مرد اور عورت کے درمیان رابطہ کا ایک ایسا نظام بنایا ہے جس پر معاشرے کی تشکیل اور ترقی کا دارومدار ہے۔ اسی وجہ سے معاشرے میں دونوں کا اپنا ایک کردار ہے لیکن اصل مقصد دونوں کا ایک ہے اور وہ دنیا اور آخرت میں انسانی سعادت ہے۔

اسی وجہ سے ہمارے تعلیمی نظام میں لڑکیوں کی تعلیم کو وہی مقام اور اہمیت حاصل ہے جو لڑکوں کی تعلیم کو ہے۔ دراصل بنیادی مسئلہ لڑکیوں کی تعلیم کا نہیں بلکہ تعلیمی نصاب کا ہے جو پہلے روس اور اب امریکہ کی جانب سے بنایا ہوا نصاب ہے جس کے ذریعے وہ ہماری نئی نسل کی فکری اور نظریاتی تحریف کر رہے ہیں۔ اس حوالے سے دو اہم نکات ہمارے سامنے ہیں:

پہلا یہ کہ ہمارے تعلیمی نصاب میں ایسا مواد شامل ہے جو اسلامی احکام سے متصادم ہے اور وہ کسی صورت بھی ہمارے لیے قابل قبول نہیں۔

دوسرا یہ کہ اس نصاب کے حامی اساتذہ ہیں جو اس نصاب کی آڑ میں ہماری نئی نسل کو غلط تربیت دے رہے ہیں اور بچوں کی ذہنی تخریب کا سبب بن رہے ہیں۔ اس کی وجہ سے ہماری نئی نسل مستقبل میں مشکلات سے دوچار ہو سکتی ہے۔

قابض افواج کی مرضی سے بنا ہوا نصاب ہماری کامیابی اور ترقی کا سبب نہیں بن سکتا بلکہ یہ نصاب ہماری نئی نسل کے عقائد پر حملہ تصور کیا جائے گا۔ یقیناً اس نصاب سے ہمارے بچوں کے ذہنوں پر منفی اثرات مرتب ہوں گے اور عقیدے کی تبدیلی اور خرابی کے لیے انہیں غلط تربیت دی جائے گی تاکہ وہ نظریاتی اور تہذیبی لحاظ سے استعماری قوتوں کے آلہ کار اور ان کے مفادات کے تحفظ کے لیے کارآمد ثابت ہو سکیں۔ اسی وجہ سے ہم قابض دشمن کے ہاتھوں بننے والے نصاب کو اس کی نظریاتی یلغار کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

سکول جلانے کی حقیقت

کبھی کبھی کچھ علاقوں میں مخصوص حالات کے تناظر میں تعلیمی ادارے تباہ کیے جاتے ہیں لیکن وہ تعلیمی ادارے کی حیثیت سے نہیں بلکہ قابض افواج اور ان کے حواری ان تعلیمی اداروں سے فوجی

اڈے کے طور پر کام لیتے ہیں اور مورچوں کے طور پر استعمال کرتے ہیں یا ان اداروں سے مذہبی بے راہ روی کا کام لیا جاتا ہے۔ ہم تعلیم کے بھرپور حامی ہیں کیونکہ ہمارے رب نے ہمیں تعلیم حاصل کرنے کا حکم دیا ہے اور اسلام کی ابتدائی تعلیم کا آغاز بھی اقرأ سے ہوا تو ہم کیسے تعلیم کے خلاف ہو سکتے ہیں؟

ہم صرف اس تعلیم کے خلاف ہیں جو دین اسلام کے خلاف استعمال ہو کر ہماری نئی نسل کی بے راہ روی ،نظریاتی تباہی اور غلط تربیت کا سبب ہو۔حقیقت یہ ہے کہ ہم اپنی نئی نسل کی صحیح تربیت کے لیے جدوجہد کر رہے ہیں۔ یہ جو ہمارے متعلق کہا جاتا ہے کہ ہم مطلق تعلیم کے مخالف ہیں تو یہ جھوٹ اور دشمن کا گمراہ کن پروپیگنڈا ہے جو اس طریقے سے اپنے مظالم سے دنیا کی توجہ ہٹانے کے لیے وقتاً فوقتاً کرتا رہتا ہے۔

ہم مسلمان ہیں اور اسلام میں تعلیم مرد وعورت دونوں پر فرض ہے اس لیے ہم علم، مدارس اور اسکولوں کے حامی ہیں مخالف نہیں۔

یکساں اسلامی تعلیم

ہم اپنے زیر کنٹرول علاقوں میں مقامی لوگوں کو اپنی استطاعت کے مطابق تعلیم سمیت مختلف شعبوں میں سہولیات فراہم کر رہے ہیں۔ ہمارے تعلیمی نصاب میں اسلامی مضامین ،عقائد، حدیث اور فقہ شامل ہیں کیونکہ موجودہ صورت حال میں جہاں ہم جہاد میں مصروف ہیں ان علوم کی ضرورت ہے اور یہی تعلیم مقامی لوگوں کو بھی قابل قبول ہے۔ یہاں تک کہ جو لوگ ان علاقوں میں رہتے ہیں جہاں دشمن کا کنٹرول ہے وہ بھی اسی نصاب کے حامی ہیں۔

ہمارے مسلم معاشرے میں اسلام اور اسلامی تعلیم کے علاوہ کسی اور چیز کی کوئی اہمیت نہیں یہاں تک کہ اسی دین کے دفاع کے لیے ہم اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کر رہے ہیں۔انہی قربانیوں کو ہم اپنے لیے باعث سعادت سمجھتے ہیں اور انہی قربانیوں کی بدولت دنیا میں فاتح بن کر ابھر رہے ہیں لیکن دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ ہم نصاب میں ان ضروری مضامین کو بھی ،جن کی ہمارے معاشرے کو ضرورت ہے،شامل کرنا چاہتے ہیں۔ ہمارے بچوں اور ہمارے عوام کے بچوں کی تعلیم میں کوئی فرق نہیں۔ اگر عوام اپنے اور ہمارے بچوں کی تعلیم کے درمیان فرق محسوس کریں تو پھر وہ کیونکر ہمارا ساتھ دیں گے؟ اور اگر ہمیں عوامی حمایت حاصل نہ ہوتی تو ہم کیسے دشمن کو حیران کن شکست دے سکتے تھے اور فتح حاصل کر سکتے تھے؟ سو ہمارے بچے وہی تعلیم حاصل کر رہے ہیں جو عام لوگوں کے

بچے حاصل کر رہے ہیں اور وہ عوام کے بچوں کے ساتھ ایک ہی جگہ دینی تعلیم کے ساتھ عصری تعلیم پر بھی عبور حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

افغانستان میں سکول بند ہونے کی وجہ

افغانستان میں بند ہونے والے تعلیمی اداروں کی تعداد کئی سو ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ جن علاقوں سے قابض افواج نکل چکی ہیں وہاں سے کرزئی حکومت کے اہلکار بھی جا رہے ہیں اور ان علاقوں میں وہ اپنے تمام مراکز اور تعلیمی ادارے بند کر رہے ہیں کیونکہ وہ صرف ان علاقوں کو پُرامن قرار دیتے ہیں جہاں قابض افواج موجود ہیں۔

تعلیمی اداروں کی بندش کی دوسری بڑی وجہ کرزئی حکومت میں رشوت ستانی اور کرپشن کا بڑھتا ہوا رجحان ہے جس کے باعث تمام سرکاری ادارے سنگین مشکلات اور تباہی سے دوچار ہیں۔اور اب قابض افواج کی واپسی کا دور شروع ہو چکا ہے تو کرزئی حکومت کے تمام اداروں بشمول وزارت تعلیم نے ہر جگہ بدامنی کا بہانہ بنا کر اپنی سرگرمیاں معطل کر دی ہیں اور ان کے لیے بجٹ میں مختص رقم سے خسارہ پورا کیا جا رہا ہے۔

اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ تعلیمی اداروں کی بندش کی وجہ علاقے پر مجاہدین کا کنٹرول نہیں بلکہ کرزئی حکومت کی نااہلی،رشوت ستانی اور کرپشن ہے۔

اقوام متحدہ کی تعلیمی مدد

ہم نہیں چاہتے کہ اپنی اولاد کو تعلیم کے نام پر دشمن کے حوالے کریں۔دشمن کی تو کوشش ہو گی کہ وہ حقوق نسواں اور خواتین کی تعلیم کے نام پر ہمارے ملک میں اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل کریں،لیکن یہاں ان کی کامیابی کا کوئی چانس نہیں۔

ہم یہ نہیں کہتے کہ ہمارے ملک یا دیگر اسلامی ممالک میں اقوام متحدہ کی تعلیمی کاوشوں کے پیچھے خیر خواہی کا جذبہ نہیں لیکن مادام انجیلا جولی اگر واقعی اچھی نیت سے ہمارے عوام کی خدمت کرنا چاہتی ہیں تو وہ ہمارے عوام اور معاشرے کے تقاضوں کو مدنظر رکھ کر اپنے ارادوں کا اظہار یوں کریں کہ اپنے ملک کی قابض افواج کو یہ بات باور کرائیں کہ وہ ہمارے عوام کو فوج کشی سے پہنچنے والے نقصانات کا ازالہ کر دیں اور نہ صرف ہمارے ملک کی تعمیر نو کریں بلکہ ملک کے طول وعرض میں تعلیمی ادارے بھی کھول دیں۔

تعلیم و تربیت

ڈاکٹر محمد امین

دینی مدارس میں فقہ و اصول فقہ کی تدریس

اصلاحات کی ضرورت

دینی مدارس کا نصاب بہت سی خوبیوں کا حامل ہے تاہم اسے مزید موثر بنانے کی ضرورت ہے۔ ہم نے اپنی کتاب ''ہمارا دینی نظام تعلیم'' میں اس پر کھل کر بحث کی ہے اور مختلف مکاتبِ فکر کے علماء کرام نے ہماری گزارشات وتجاویز کی حمایت کی ہے۔ اس وقت اس موضوع پر تفصیل سے گفتگو کرنا ہمارے پیش نظر نہیں اور ہم صرف مختصر طور پر فقہ و اصول فقہ کی تدریس کے حوالے سے کچھ گزارشات دینی مدارس کی خدمت میں پیش کرنا چاہتے ہیں۔

ا۔ دینی مدارس کا فقہ و اصول فقہ کا موجودہ نصاب جن علماء کرام نے ابتداءً تجویز کیا تھا غالباً ان کے پیش نظر یہ تھا کہ طلبہ اپنے فقہی ذخیرے سے واقف ہو جائیں اور چونکہ برصغیر میں مسلمانوں کی کثیر تعداد حنفی تھی لہٰذا انہوں نے حنفی متون میں سے قدوری اور ہدایہ اور ان کے اصول استنباط کو سمجھنے کے لیے اصول میں نور الانوار اور مسلم الثبوت جیسی کتب شامل کرنے پر اکتفا کیا۔ ان کے پیش نظر یہ تھا کہ علماء کرام مساجد میں عام مسلمانوں کو دینی مسائل بتا سکیں، فتاویٰ جاری کر سکیں اور مدارس میں فقہ کی تدریس کے اہل ہو جائیں...... جب کہ آج حالات بدل چکے ہیں اور مقاصد تدریس میں توسیع بھی ناگزیر ہو چکی ہے لہٰذا فقہ و اصول کی تدریس کے حوالے سے ہم مندرجہ ذیل تجاویز اہل مدارس کے غور وفکر کے لیے ان کی خدمت میں پیش کرتے ہیں:

ا۔ فقہ میں تقابلی مطالعہ کو رواج دیا جائے اور حنفی فقہ کے ساتھ دوسرے مذاہب کا مطالعہ بھی کرایا جائے۔ اس سے طلبہ کے علم میں وسعت آئے گی اور مسلک پرستی کا اثر کم ہوگا۔ اس کے لیے پرانی کتابوں میں سے **بدایۃ المجتہد** اور نئی کتابوں میں سے وھبۃ الزحیلی کی **الفقہ الاسلامی و ادلتہ** کا مطالعہ کرایا جا سکتا ہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دوسرے مذاہب کے فقہ کے اساتذہ سے کچھ محاضرات دلوا دیے

جائیں۔

۲۔ پاکستان کے آئین اور قوانین خصوصاً اسلامی قوانین کا مطالعہ بھی ضروری ہے۔

۳۔ مغربی ممالک میں مقیم مسلمانوں اور اقوام متحدہ کے قوانین کے مسلم ممالک پر انطباق کی وجہ سے اقوام متحدہ کے قوانین (مثلاً بنیادی انسانی حقوق کا ڈیکلریشن) کا مطالعہ بھی کرایا جانا چاہیے۔

۴۔ فقہ القرآن والسنۃ کو بھی جز ونصاب ہونا چاہیے اور طلبہ کو اس کی پریکٹس بھی کرائی جانی چاہیے تاکہ انہیں قرآن وسنت سے استنباط احکام کا سلیقہ آجائے۔

۵۔ متون رٹنے کی بجائے طلبہ کو ان کے فہم کی طرف متوجہ کیا جائے۔ اس کے لیے کوئی ہرج نہیں اگر وہ ابتدائی درجوں میں فقہ اور اصول فقہ کی کتابیں اردو میں پڑھیں اور آخری رسالوں میں جب ان کی عربی بہتر ہو جائے تو پھر عربی مراجع سے بھی استفادہ کر لیں۔

۶۔ تقابلی مطالعے اور پاکستانی و بین الاقوامی قوانین کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ طلبہ کو عربی کے ساتھ انگریزی زبان میں بھی اتنی مہارت ہو کہ وہ انگریزی عبارتوں کو بسہولت پڑھ اور سمجھ سکیں۔

۷۔ عصری علوم کا ضرورت کی حد تک مطالعہ بھی ناگزیر ہے کیونکہ ڈی این اے، بنکنگ، انتقال اعضاء اور دوسرے بہت سے جدید امور میں علماء اسلام سے سوالات کیے جاتے ہیں۔

۸۔ جن دینی مدارس میں تخصص فی الفقہ کا انتظام ہوتا ہے وہاں بالعموم فتویٰ جاری کرنے کی صلاحیت اور ٹریننگ پر زیادہ زور دیا جاتا ہے حالانکہ انہیں مذکورہ بالا تجاویز کے مطابق تقابلی مطالعے اور جدید فقہی مسائل کے حل پیش کرنے کی تربیت بھی دی جانی چاہیے۔ اس کے لیے تخصص کی سطح پر طرق تحقیق کا ایک پرچہ لازماً ہونا چاہیے تاکہ تخصص کے طلبہ جدید جامعات کے فقہ میں ایم فل اور پی ایچ ڈی کے مساوی سمجھے جاسکیں۔

۹۔ اسی طرح اصول فقہ کی تدریس کے وقت احناف کے منہج استنباط کے ساتھ دوسرے مذاہب کے مناہج استنباط کا تقابلی مطالعہ بھی ضروری ہے۔ دوسرے مذاہب کے اوجہ استدلال سامنے آنے کے بعد ان کے باطل وگمراہ ہونے کا رجحان یقیناً کمزور پڑے گا اور ذہن میں یہ راسخ ہوگا کہ یہ ایک اجتہادی اور نصوص کی تعبیر وتشریح کا معاملہ ہے۔ ہمارے پاس ہمارے موقف کی دلیل ہے تو فریق ثانی کا بھی یہی حال ہے کہ اس کے پاس بھی دلیل ہے۔ ہم صرف ایک موقف کو بوجوہ ترجیح دے رہے ہیں۔

۱۰۔ آخری بات یہ کہ ایک فقیہ اور ایک عام عالم میں اور ان کے طریق تربیت میں فرق ہونا

چاہیے۔فقیہ بنانے کے لیے ضروری ہے کہ طلبہ میں فقہ واستنباط کا ملکہ اور صلاحیت پیدا کی جائے اور اس کے لیے ضروری ہے کہ قرآن وسنت کے عمومی مطالعے کے ساتھ ان میں احکام کے مطالعے کا خصوصی ذوق بیدار کیا جائے اور ماضی کے فقہاء اور ان کے کام پر نظر رکھنے کے بعد ان کے سامنے فرضی اور تقدیری امور رکھ کر (جدید جامعات میں Case Studies کی طرز پر) ان سے استنباط کی باقاعدہ مشق کرائی جائے تاکہ ان میں مجتہدانہ شان پیدا ہو جائے۔آئیڈیل تربیت کا یہ معیار سامنے رکھا جائے تو پھر ہی کچھ ایسے طلبہ سامنے آئیں گے جو آج کے معاشرے اور ریاست کو جدید مسائل اور قانونی شعبے میں رہنمائی مہیا کر سکیں **وتلک عشرۃ کاملۃ**۔

امید ہے دینی مدارس ہماری ان تجاویز پر ہمدردانہ غور فرمائیں گے تاکہ دینی مدارس میں فقہ واصول فقہ کی تدریس کا معیار بہتر ہو سکے۔

اسلام اور سائنس ڈاکٹر محمد شہباز منج ☆

مذہب اور سائنس ۔ باہمی تعلق کی صحیح نوعیت (آخری قسط)

قرآنی حقائق کو انسانی نظریات کا پابند نہیں بنانا چاہیے: جدید سائنسی نظریات سے متاثر ہو کر قرآنی حقائق کو تکلّفاً ان کے مطابق ڈھالنے کا رجحان قطعاً درست نہیں۔سائنس بجائے خود ایک ظنی علم ہے، اس کے نظریات ومفروضات حتمی نہیں ہوتے، بلکہ علم کی ترقی کے ساتھ ان میں ترمیم واضافہ یا ان کے بالکل بدل جانے کا امکان موجود رہتا ہے۔سائنس کے سامنے جب کسی مسئلے پر کافی مواد جمع ہو جاتا ہے اور کسی حقیقت کی جھلک محسوس ہونے لگتی ہے تو قیاس یا مفروضہ (Hypothesis) نمودار ہوتا ہے ، پھر جب بہت سے سائنسدان اس کو تسلیم کر لیتے ہیں اور اس کے مزید ثبوت مل جاتے ہیں تو اس کو نظریہ (Theory) کا مقام دے دیا جاتا ہے۔پھر جب ایک لمبے عرصے تک اس نظریے کے ثبوت دنیا میں پہنچتے رہتے ہیں، اور اکثر وبیشتر سائنسدان اس سے متفق ہو جاتے ہیں تو اس نظریے کو قانون (Law) کا رتبہ دے دیا جاتا ہے۔لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ اس کے بعد اس میں کسی قسم کی تبدیلی کا امکان باقی نہیں رہا، بہت سی مثالیں ایسی ہیں کہ کسی قانون کو بعد کی تھیوری نے بدل ڈالا۔لہٰذا ایک مسلمان کو شایان نہیں کہ وہ قرآن کے یقینی نصوص کو انسان کے غیر یقینی نظریات پر محمول کرے۔

سائنسی حقائق نظریات سے مختلف چیز ہیں: یہ بات البتہ ذہن میں رہنا چاہیے کہ سائنسی نظریات کی نوعیت ثابت شدہ اور مشاہدہ میں آئے ہوئے سائنٹفک حقائق سے مختلف ہے۔قرآن کا کوئی بیان اگر

ان حقائق سے تعرض کرتا ہے تو قرآنی حوالے سے نہ صرف یہ کہ ان کی تائید کی جاسکتی ہے بلکہ کی جانی چاہیے، کیونکہ ثابت شدہ اور مشاہدہ میں آئے ہوئے سائنٹفک حقائق اور قرآنی بیانات کے درمیان ٹکراؤ ناممکن ہے۔اسی حقیقت کے پیش نظر اہل علم تفسیر قرآن اور سائنس کے حوالے سے گفتگو کرتے ہوئے عام سائنسی نظریات اور حقائق میں فرق ملحوظ رکھنے کو خصوصی اہمیت دیتے ہیں۔سید قطب فی ظلال القرآن میں لکھتے ہیں: '' **لا نحاول فی الظلال ان نوفق بینالنصوص القرانیة والنظریات التی تسمی علمیة۔ وھی شئ آخر غیر الحقائق العلمیة الثابتة للتجربة کتمدد المعادن بالحرارة و تحول الماء بخاراًو تجمدہ بالبرودة الی آخر ھذا النوع من الحقائق العلمیة وھی شیئٍ آخر غیر النظریات العلمیة۔**''(38)

☆ شعبہ اسلامیات، یونیورسٹی آف سرگودھا، سرگودھا

قدیم وجدید ہر دو مفاہیم کی گنجائش: بعض لوگوں کا خیال ہے کہ قرآن کا کام تو محض شرعی و دینی امور سے بحث کرنا ہے۔ یہ تو مراسمِ عبودیت اور عقائد واحکام کا مجموعہ ہے۔سائنس کی ترقی اور نئی نئی معلومات سے اسے کیا سروکار؟ نیز اگر یہ کہا جائے کہ قرآن سائنسی مواد سے بحث کرتا ہے اور جدید سائنسی معلومات سے قرآن کے بہتر فہم میں مدد ملتی ہے، تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ پرانے لوگ قرآن کو درست طور پر نہ سمجھ سکے۔لیکن یہ بات قرآن کی عظمت کو صحیح طور پر نہ سمجھ سکنے کی دلیل ہے۔ہمیں یہ حقیقت کبھی فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ قرآن سب انسانوں اور سب زمانوں کے لیے ہے، جو لوگ جس دور میں بھی اس کا مطالعہ کریں گے، یہی محسوس ہوگا کہ یہ انہی لوگوں اور اسی دور کے لیے نازل ہوا ہے۔ چونکہ یہ ایسی ہستی کا کلام ہے، جو ازلی وابدی ہے اور جس کا علم سب زمانوں کو محیط ہے، گردشِ ایام جس میں کبھی بھی کوئی ترمیم واضافہ یا اصلاح وتجدید تجویز نہیں کرسکتی۔لہٰذا لازم تھا کہ اس کے الفاظ کی ساخت وترکیب ایسی ہو اور اس کے معانی میں ایسی وسعت و لچک رکھی جائے کہ یہ پرانے لوگوں کی سمجھ سے بالا ہو اور نہ نئے لوگوں کو پرانا لگے۔ یہ قرآن کا اعجاز ہے، جو کسی انسان کے بس کی بات نہیں۔ چنانچہ قرآن جہاں عقائد و احکام اور مراسمِ عبودیت سکھاتا ہے، وہاں وہ غلط افکار ونظریات کی تردید کے لیے تکوینی امور اور انسان اور کائنات سے متعلق حقائق کو بھی زیر بحث لاتا ہے، مگر ان حقائق کے بیان میں ایسا انداز اختیار کرتا ہے کہ ان سے جہاں نئے نئے معانی اخذ کرنے کی گنجائش باقی رہتی ہے، وہاں پرانا مفہوم (اگر وہ قرآن کے گہرے مطالعے کے بعد پوری محنت ودیانت داری سے اخذ کیا گیا تھا تو) بھی غلط قرار نہیں پاتا۔اس سلسلہ میں مولانا شہاب الدین ندوی نے ایک مثال پیش کرتے ہوئے لکھا ہے کہ قرآن حکیم میں کہا گیا ہے کہ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ''ہم نے ہر جاندار چیز کو پانی ہی سے پیدا کیا ہے۔''

(انبیاء:۳۰) موجودہ دور سے پہلے اس کا مطلب یہ لیا جاتا رہا کہ تمام حیوانات نطفہ ہی سے وجوز پذیر ہوتے ہیں، جو پانی ہی کی ایک شکل ہے، یا مجازاً اس کو پانی کہہ سکتے ہیں۔ یہ مفہوم اپنی جگہ بالکل صحیح تھا، مگر جدید سائنسی تحقیقات کی بدولت ایک نیا مفہوم سامنے آیا ہے، جس کے پیش نظر قرآن حکیم کے حیرت انگیز اعجاز کا حال بخوبی واضح ہوجاتا ہے۔ حیاتیات (Biology) کی ترقی کی بدولت اس بات کا پتہ لگایا جاچکا ہے کہ تمام حیوانات ونباتات کی تشکیل یکساں قسم کے مادے سے ہوتی ہے اور خوردبینی مشاہدے سے پتہ چلا ہے کہ حیوانات ونباتات کے اجسام نہایت درجہ ننھے ننھے خانوں پر مشتمل ہیں۔ ان خانوں میں ایک لیسدار چپچپا اور متحرک مادہ بھرا رہتا ہے، جس کو نخز مایہ یا پروٹو پلازم کا نام دیا گیا ہے اور کیمیائی تجزیہ سے پتہ چلا ہے کہ اس مادہ کا اکثر وبیشتر حصہ پانی ہی پر مشتمل ہے۔ (39)

اس طرح کی کئی مثالیں ہیں۔ یوں یہ بات مسلم ہوجاتی ہے کہ قرآن حکیم کے وہ بیانات جو کسی حوالے سے کسی شعبۂ علم سے متعلق ہیں، ہر زمانے کی معلومات اپنے دامن میں سمیٹ لینے کی گنجائش رکھتے ہیں، بشرطیکہ وہ معلومات یا تو مشاہدہ میں آئے ہوئے حقائق ہوں یا ان کا تعلق ایسے نظریات سے ہو، جو متعلقہ شعبہ علم میں آگے بڑھنے اور اس سلسلہ میں زیادہ بہتر اور درست معلومات کے حصول کی طرف رہنمائی کرتے ہوں اور منہاج کے اعتبار سے غلط نہ ہوں اور نہ ہی قرآن کے اجمالی مفہوم سے ٹکراتے ہوں۔

سائنسی معلومات سے ہمارے فہم قرآن میں ترقی ہوتی ہے: اس حقیقت میں کوئی شبہ نہیں کہ کائنات، حیات اور انسان سے متعلق سائنس جو حقائق سامنے لاتی ہے، ان سے قرآن کی بعض ان آیات کو زیادہ بہتر طور پر سمجھنے میں مدد ملتی ہے، جن میں کسی نہ کسی حوالے سے ان حقائق سے تعرض کیا گیا ہوتا ہے۔ قرآن حکیم نے اس حقیقت کی طرف ان الفاظ میں اشارہ کیا ہے: **سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ.** (40)

چنانچہ سائنس انفس وآفاق میں خداوند قدوس کی جو نشانیاں دریافت کرے، ان کے پیش نظر ہم اپنے فکر کے اعتبار سے معانئ قرآن کو ان علمی اکتشافات کے مطابق وسعت دے سکتے ہیں۔ اس سلسلہ میں چند مثالیں ملاحظہ ہوں: قرآن پاک میں ہے: **وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ.** (41) **وَاَرْسَلْنَا الرِّيٰحَ لَوَاقِحَ.** (42) پہلی آیت میں ہر چیز کو جوڑا جوڑا بنائے جانے کا ذکر ہے۔ جدید تحقیقات سے بہت سی ایسی چیزوں میں بھی ازواج کا تصور سامنے آچکا ہے، جس کا پہلے زمانے میں تصور تک نہیں کیا جا سکتا تھا، اور نہیں معلوم کن کن اشیا میں مزید سامنے آئے، جیسا کی قرآن خود کہتا ہے: **سُبْحٰنَ الَّذِيْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنْبِتُ الْاَرْضُ وَمِنْ اَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا يَعْلَمُوْنَ** (43) تو یہ حقیقت کھل کر سامنے آگئی کہ ہر چیز کے جوڑا جوڑا ہونے کے حوالے سے قرآنی بیانات کس قدر معجزانہ اور گہرے معانی

کے حامل تھے۔ اسی طرح دوسری آیت یعنی ''بار آور کرنے والی ہواؤں کے بھیجنے'' کے ضمن میں ہمارے فہم میں یوں ترقی ہوئی کہ علم نباتات کی جدید معلومات سے ہمیں ہواؤں کے ذریعے نر درختوں کے Pollens کا مادہ درختوں تک پہنچنا معلوم ہو گیا۔

قدیم دور میں سکونِ زمین کا تصوا تنا اہم اور قابل یقین سمجھا جاتا تھا کہ الہامی کتابوں کی تعبیرات میں بھی اسے یقینی حقیقت کے طور پر پیش کیا گیا۔ یہاں تک کہ جب بعض سائنسدانوں نے اس کی تردید کی تو اسے خدا کے کلام اور بائبل کی تردید پر محمول کیا گیا۔ اور ایسا کرنے والوں کو تختۂ مشق بنایا گیا۔ مسلمانوں نے قرآن کی تفسیر میں بھی عام طور پر اس نظریے کو اختیار کیا۔ لیکن آج زمین کی گردش ایک مشاہد حقیقت بن چکی ہے۔ اس سے ایک طرف تو قدیم مفسرین کی عام معذوری و نارسائی سامنے آتی ہے، اور دوسری طرف ان آیات کے مفہوم مبرہن ہو جاتا ہے، جن میں ہر جرم کے اپنے مدار میں محوِ گردش ہونے کا ذکر ہے: وَهُوَ الَّذِىْ خَلَقَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ فِىْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ o(44)

قدیم زمانے میں سورج کی طرح چاند کی روشنی بھی ذاتی سمجھی جاتی تھی۔ بعد کی معلومات سے پتہ چلا کی چاند کی روشنی اپنی نہیں بلکہ وہ سورج کی روشنی کو منعکس کرتا ہے۔ ان معلومات کی روشنی میں جب ہم قرآن کی ان آیات کا مطالعہ کرتے ہیں، جن میں سورج اور چاند کا ذکر ہے، تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم نے کس خوبصورتی سے سورج اور چاند کی علیحدہ صفات کا تذکرہ کیا ہے، اور کہیں بھی سورج کے لیے چاند اور چاند کے لیے سورج کی صفت استعمال نہیں کی۔ چند آیات ملاحظہ ہوں: اَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًاo وَّجَعَلَ الْقَمَرَ فِيْهِنَّ نُوْرًا وَّجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا o(45) تَبٰرَكَ الَّذِىْ جَعَلَ فِى السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّجَعَلَ فِيْهَا سِرَاجًا وَّ قَمَرًا مُّنِيْرًاo (46) هُوَ الَّذِىْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًاo(47)

ایک جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْدٍ وَّ اِ□ِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ ((48

قدیم زمانے میں کائنات کے پھیلاؤ کا کوئی تصور نہیں تھا، چنانچہ اس آیت میں عام طور پر مفسرین موسعون سے مراد لیا کرتے تھے ''ہم فیاضی کے ساتھ عطا کرتے ہیں'' یا ''ہم رزق فراخ کرتے ہیں'' لیکن اب جبکہ علم ہیئت کی جدید معلومات کے مطابق یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ کائنات پھیل رہی ہے اور کہکشائیں ایک دوسری سے دور ہوتی جا رہی ہیں، تو ہم اس آیت کو زیادہ بہتر طور پر سمجھنے کے قابل ہو گئے ہیں۔ وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْدٍ کے الفاظ صاف طور پر بتا رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آسمان کو اپنی قوت عظیمہ سے تخلیق کرنے کا ذکر فرما رہا ہے۔ چنانچہ معاً بعد ''رزق میں فراخی'' والا مفہوم کیسے در آیا؟ قرآن کے بے مثل نظم کا تقاضا ہے کہ وَاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ کے الفاظ کا وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْدٍ کے الفاظ سے قریبی تعلق ہو

۔یوں یہ بات عیاں ہوئی کہ اس آیت کریمہ میں دراصل یہ فرمایا جارہا ہے کہ ''آسمان کو ہم نے اپنی عظیم قوت سے بنایا ہے اور ہم اس میں توسیع کررہیں۔''

سائنسی نوعیت کے قرآنی بیانات غیر مسلم اہل سائنس کے قرآن کی طرف راغب ہونے کا ذریعہ ہیں: سائنسی نوعیت کے قرآنی بیانات جدید سائنسی معلومات کے تناظر میں غیر مسلم سائنسدانوں کے قرآن کی طرف متوجہ ہونے کا ذریعہ بنتے ہیں۔ایسے متعدد شواہد موجود ہیں کہ غیر مسلم اہل سائنس جدید سائنسی معلومات اور سائنسی نوعیت کی قرآنی آیات کے تقابل کے نتیجہ میں قرآن کی حقانیت اور اس کے الہامی ہونے کے اقرار پر مجبور ہوئے۔چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

معروف فرانسیسی سائنسدان اور فزیشن ڈاکٹر موریس بکائی نے قرآن سائنس اور بائبل کے تقابلی مطالعہ کے بعد قرآن کی حقانیت کا اعتراف کیا۔مذکورہ تناظر میں ڈاکٹر بکائی کی کتاب نے خاصی شہرت حاصل کی اور کئی زبانوں میں ترجمہ ہوئی۔ڈاکٹر صاحب کے مطابق قرآن میں تخلیق و پیدائش،فلکیات، زمین، حیوانات و نباتات کی دنیاؤں اور اعادہ تخلیق انسانی وغیرہ کے حوالے سے کثیر سائنسی موضوعات زیر بحث آئے ہیں۔بائبل میں بھی اس نوع کے موضوعات مذکور ہیں،لیکن وہاں اغلاط کی بھرمار ہے۔ جبکہ قرآن میں اس حوالے سے مجھے ایک بھی غلطی نہیں ملی۔میں نے رک کر اپنے آپ سے سوال کیا کہ اگر کوئی انسان قرآن کا مصنف ہوتا تو وہ ساتویں صدی عیسوی میں ایسے حقائق کیسے بیان کرسکتا، جو آج کے سائنسی حقائق سے مطابقت رکھتے ہیں؟ کیا ایسی کتاب کی کوئی بشری توجیہ ممکن ہے؟ میرے نزدیک ہرگز نہیں۔یہ کیونکر ہوسکتا ہے کہ اس دور میں، جبکہ فرانس پر کنگ ڈیگوبرٹ (۶۲۹ء۔۶۳۹ء) کی حکومت تھی، جزیرۂ عرب کا کوئی باسی، بعض موضوعات پر ایسی سائنسی معلومات رکھتا ہو، جو ہمارے زمانے سے بھی دس صدیاں آگے کی ہیں؟(49)

گذشتہ زمانے میں لوگوں کا خیال تھا کہ درد کا احساس دماغ کے ذریعہ ہوتا ہے۔لیکن جدید تحقیقات سے ثابت ہوا کہ درد کا احساس انسان کی جلد میں موجود درد محسوس کرنے والے خلیات سے ہوتا ہے۔قرآن کی حسب ذیل آیت میں یہ حقیقت پنہاں ہے:اِنَّ الَّذِیْنَکَفَرُوْا بِاٰیٰتِنَا سَوْفَ نُصْلِیْھِمْ نَارًا کُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُھُمْ بَدَّلْنٰھُمْ جُلُوْدًا غَیْرَھَا لِیَذُوْقُوا الْعَذَابَ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَزِیْزًا حَکِیْمًا(50)

تھائی لینڈ کی چیانگ مائی یونیورسٹی کے شعبہ علم الاعضا کے صدر پروفیسر تگاتات تیجاسین (Tagatat Tejasen) نے درد محسوس کرنے والے عضلات پر طویل عرصہ تک تحقیق کی۔ابتدا میں قرآن میں انہیں اس طرح کی حقیقت کے موجود ہونے کا یقین نہ آیا،لیکن جب تحقیق سے واضح ہوا کہ قرآن اس حقیقت کو چودہ سوسال پہلے بیان کرچکا ہے،توانہوں نے ریاض میں ''قرآن وسنت کی سائنسی علامات'' کے موضوع پر منعقد ہونے والی آٹھویں سعودی طبی کانفرنس میں پورے مجمع کے سامنے کلمہ طیبہ کا اقرار کرلیا۔(51)

عرب سائنسدانوں کی طرف سے قرآن کے جینیات سے متعلق بیانات یونیورسٹی آف ٹورنٹو، کینیڈا کے جینیات کے نامور اور مستند ماہر پروفیسر ڈاکٹر کیتھ مور کو تبصرے کے لیے بھیجے گئے۔ان معلومات میں ایک چیز یہ تھی کہ قرآن نے جنین کی ابتدائی حالت کو جونک کے مشابہ بتایا ہے۔مثلاً قرآن میں ہے:اِقۡرَاۡ بِاسۡمِ رَبِّکَ الَّذِیۡ خَلَقَ٥ خَلَقَ الۡاِ ☐ ِنۡسَانَ مِنۡ عَلَقٍ٥ (52) لفظ علق کے معنی جمے ہوئے خون کے لوتھڑے اور جونک کی طرح چمٹنے والی چیز کے ہیں۔ڈاکٹر کیتھ مور کو معلوم نہیں تھا کہ جنین کی ابتدائی شکل جونک کے مشابہ ہوتی ہے۔انہوں نے اس کا جائزہ لینے کے لیے اپنی تجربہ گاہ میں انتہائی طاقتور خوردبین کے ذریعے جنین کی ابتدائی شکل کا مطالعہ کیا۔جب انہوں نے جونک کے خاکے کے ساتھ اس کا موازنہ کیا تو وہ دونوں کی مشابہت دیکھ کر حیران رہ گئے۔ڈاکٹر مور نے جینیات کے حوالے سے قرآن میں بیان ہونے والی متعدد معلومات سے استفادہ کیا اور اس بات کا برملا اعتراف کیا کہ یہ معلومات قبل ازیں ان کے علم میں نہیں تھیں۔انہوں نے یہ بھی اعتراف کیا کہ قرآن کے ان بیانات کا منبع یقیناً الہامی ہے۔((53 تھامس جیفرسن یونیورسٹی فلاڈیلفیا کے ڈینٹل انسٹی ٹیوٹ کے صدر اور شعبہ علم الاعضا کے ڈائریکٹر ممتاز امریکی سائنسدان پروفیسر مارشل جانسن نے جینیات سے متعلق قرآنی آیات پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا: ممکن ہے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے پاس کوئی طاقت ور خوردبین ہو۔جب انہیں کہا گیا کہ قرآن تو چودہ سو سال پہلے نازل ہوا تھا،جبکہ خوردبین اس کے کئی صدیاں بعد ایجاد ہوئی،تو وہ مسکرا کر کہنے لگے: پہلی خوردبین متعلقہ چیزوں کو دس گنا بڑا کر کے دکھا سکتی تھی۔بعد میں انہوں اعتراف کیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کسی الہامی حکم سے قرآن کی تلاوت فرماتے تھے۔((54

مستقبل سے متعلق خبریں اور ان کی تصدیق: جب بعض اوقات جدید معلومات کے تناظر میں گفتگو کرتے ہوئے کہا جاتا ہے کہ فلاں قسم کی معلومات جو جدید سائنسی ترقی کی بدولت انسان کے علم آئی ہیں،قرآن ان کو صدیوں پہلے اشارۃً اپنی فلاں آیت میں بیان کر چکا ہے،تو بعض لوگ نہایت چیں بہ جبیں ہوتے ہیں۔کچھ یہ کہتے نظر آتے ہیں کہ یہ بات اگر قرآن میں پہلے سے بیان کر دی گئی تھی تو مسلمانوں کو پہلے معلوم کیوں نہ ہوئی؟ بعض دیگر حضرات اس پر تجدد اور سائنس کو مسلمان بنانے کی کوشش کی پھبتی کستے ہیں۔حالانکہ یہ بات قرآن کا ہر ادنی طالب بھی جانتا ہے کہ اس میں مستقبل سے متعلق کئی ایک خبریں اور پیش گوئیاں مذکور ہیں۔اور تاریخی حقائق سے روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ وقت گذرنے کے ساتھ قرآن کی متعدد پیش گوئیاں اور مستقبل کے حوالے سے دی گئی خبریں حرف بحرف سچ ثابت ہوتی رہی ہیں۔لہذا قرآن میں مستقبل کے سائنسی موضوعات سے متعلق مواد کا پایا جانا کوئی بعید از امکان بات

ہے اور نہ اس پر حیرت واستعجاب کا کوئی جواز۔ چنانچہ قرآن میں ایسے بہت سے بیانات ہیں کہ جدید سائنسی ترقی نے ان کی تصدیق کی ہے یا ان کے بعض ایسے پہلو نمایاں کیے ہیں، جو قبل ازیں یوں نگاہوں کے سامنے نہ تھے۔ ذیل میں اس سلسلہ میں چند بیانات کا مختصر تذکرہ کیا جاتا ہے:

ارشاد باری تعالیٰ ہے: یَامَعۡشَرَ الۡجِنِّ وَالۡاِ ☐ نۡسِ اِ ☐ نِ اسۡتَطَعۡتُمۡ اَنۡ تَنفُذُوۡا مِنۡ اَقۡطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ فَانۡفُذُوۡا لاَ تَنۡفُذُوۡنَ اِ ☐ لَّا بِسُلۡطٰنٍ o (55) ڈاکٹر موریس بکائی کے مطابق مذکورہ آیت مبارکہ میں انسان کے خلا میں نفوذ کر سکنے کا ذکر ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اس حوالے سے مذکورہ آیت اور قرآن حکیم کی دو اور آیات خصوصی توجہ کی طالب ہیں۔ متذکرہ صدر آیت بغیر کسی ابہام کے بتا رہی ہے کہ انسان کو اس میدان میں کیا حاصل کرنا چاہیے، اور وہ کیا حاصل کرے گا۔ دوسری دو آیات میں اللہ تعالیٰ منکرین مکہ کو بتا رہا ہے کہ اگر وہ خود کو آسمانوں کی سطح تک بلند کر سکیں، تو ان کو کس قدر حیران کن صورت حال سے سابقہ پیش آئے گا۔ وہ یہ بھی بتا رہا ہے کہ کفار مکہ اس حیران کن صورت حال کا مشاہدہ نہیں کر سکیں گے۔ ڈاکٹر بکائی نے درج بالا آیت کے بعض الفاظ کی دقیق لسانی توضیح کے بعد لکھا ہے کہ اس بات میں کوئی شبہ نہیں رہ جاتا کہ یہ آیت اس بات کی طرف اشارہ کر رہی ہے کہ آدمی ایک دن وہ مقصد حاصل کر لے گا، جس کو آج ہم (شاید غلط طور پر) تسخیر خلا کا نام دے رہے ہیں۔ انسان کو یہ بات ذہن میں رکھنا چاہیے کہ قرآن کا متن صرف آسمانوں کے اندر نفوذ ہی کی پیش گوئی نہیں کر رہا، بلکہ زمین سے بھی پار ہو جانے اور اس کی گہرائیوں کا کھوج لگانے کا بھی پتہ دیتا ہے۔((56 دوسری دو آیات مندرجہ ذیل ہیں: ☐ وَلَوۡ فَتَحۡنَا عَلَیۡهِمۡ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ فَظَلُّوۡا فِیۡهِ یَعۡرُجُوۡنَ o لَقَالُوۡۤا اِنَّمَا سُكِّرَتۡ اَبۡصَارُنَا بَلۡ نَحۡنُ قَوۡمٌ مَّسۡحُوۡرُوۡنَ o (57) مذکورہ بالا بیان میں ایک ایسے منظر پر حیرت کا اظہار کیا گیا ہے، جو آدمی کے حیطہ تصور سے سے بھی بالاتر ہے۔ اس جگہ شرطیہ جملہ لفظ ''لَوۡ'' سے شروع کیا گیا ہے، جو ایک ایسے مفروضے کو ظاہر کر رہا ہے، جو ان آیات کے اولین مخاطبین کے سامنے کبھی حقیقت کا روپ نہیں دھار سکتا۔ چنانچہ زیر نظر موضوع کے حوالے سے ہمارے سامنے متن قرآن کی دو عبارتیں ہیں۔ ان میں سے ایک اس بات کی طرف اشارہ کر رہی ہے، جو ایک روز انسان کے خداداد علم وفہم کی بدولت حقیقت بن کر سامنے آ جائے گی۔ دوسری اس واقعہ کا ذکر کرتی ہے، جس کا مشاہدہ کفار مکہ کبھی نہیں کر سکیں گے، کیونکہ یہ شرط کی وہ نوعیت ہے جو کبھی حقیقت کا جامہ نہیں پہنتی۔ ہاں اس واقعہ کا مشاہدہ کفار مکہ کے علاوہ دوسرے لوگ کریں گے، جیسا کہ محولہ بالا پہلی آیت میں بیان کیا گیا ہے۔ قرآن کی عبارت اس انسانی ردعمل کو بیان کر رہی ہے، جس سے غیر متوقع مناظر کے مشاہدہ کی صورت میں خلانوردوں کو سابقہ پیش آئے گا۔ یعنی غیر واضح بینائی جیسا کہ حالتِ نشہ میں ہوتی ہے اور جادو کے زیر اثر

ہونے کا احساس۔ یہ بعینہ وہ تجربہ ہے جو 1961ء میں دنیا کے گرد پہلی خلائی پرواز کے وقت سے خلانوردوں کو مسلسل ہوتا رہا ہے۔((58

قرآن کریم میں شفق، رات اور جن چیزوں کو وہ ڈھانپ لیتی ہے، چاند اور اس کے مہ کامل بن جانے کی قسم کھا کر فرمایا گیا کہ تم طبق در طبق اوپر چڑھو گے: **فَلَآ اُقْسِمُ بِالشَّفَقِ o وَالَّيْلِ وَمَا وَسَقَ o وَالْقَمَرِ اِذَا اتَّسَقَ o لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ o فَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ o** (59) بعض اہل علم کے نزدیک مذکورہ بالا آیات میں انسان کی خلائی پرواز اور اس کے چاند تک سفر سے متعلق حسب ذیل گوئیاں مذکور ہیں: ۱۔ انسان ایک طبق سے دوسرے طبق تک سفر کریں گے۔ ۲۔ ان کا یہ سفر زمین سے چاند تک ہو گا۔ ۳۔ سفر کرنے والے کسی چیز پر سوار ہو کر جائیں گے۔ ۴۔ جو لوگ یہ سفر کریں گے ان کی تعداد کم از کم تین ہو گی۔ ۵۔ یہ سفر اختیار کرنے والے غیر مسلم ہوں گے۔

سورہ الانشقاق میں ان آیات سے قبل قیامت سے پہلے رونما ہونے والے واقعات کا ذکر ہے۔ اجرام فلکی، نظام کائنات اور خصوصاً نظام شمسی کا بیان ہے۔ اسی طرح اس میں کائنات میں رو پذیر ہونے والے مختلف تغیرات کا بھی تذکرہ ہے۔ مختلف قسمیں کھائی گئی ہیں اور آخر میں چاند کی قسم کھا کر کہا گیا ہے کہ تم ایک طبق سے دوسرے طبق تک پہنچو گے۔ یعنی طبق در طبق پرواز کرو گے۔ قرآن حکیم کی آیات کا چونکہ ایک دوسری کے ساتھ نہایت حکیمانہ ربط ہوتا ہے، اس لیے طبق در طبق سفر کرنے کے ذکر سے پہلے چاند کی قسم میں ایک لطیف اشارہ ہے کہ اس سفر کا تعلق چاند سے ہو گا۔ گویا ایک طبق سے مراد زمین اور دوسرے طبق سے مراد چاند ہے۔ یہاں یہ خیال پیدا ہو سکتا ہے کہ اگر یہی مقصود ہوتا کہ انسان کا سفر چاند کی طرف ہو گا تو واضح طور پر چاند کا ذکر کر دیا جاتا۔ درحقیقت اس میں بھی ایک لطیف اشارہ ہے۔ اگر چاند کا ذکر کر دیا جاتا تو انسان کی سیر کائنات چاند تک محدود ہو جاتی، لیکن انسان کے طائرِ ہمت کی پرواز چونکہ چاند تک محدود نہیں، بلکہ وہ تو کائنات کی وسعتوں کو ماپنے کی ہمت رکھتا ہے، اور نہ جانے کن کن اجرام فلکی پر آشیاں بند ہو گا، اس لیے ''طبق سے طبق'' کے الفاظ استعمال کیے اور ابتداء میں چاند کا ذکر کر دیا تا کہ پتہ چل جائے کہ انسان کائنات کی وسعتوں کو ماپنے نکلے گا تو اس کے سفر کا آغاز چاند سے ہو گا۔ اس سفر کے لیے ''لترکبن'' کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ اس کا مطلب ہے کسی چیز پر سوار ہونا۔ سواری کو مرکب کہتے ہیں اور گھوڑے پر سوار ہونے کے لیے جس چیز پر پاؤں رکھا جاتا ہے، اسے رکاب کہتے ہیں۔ گویا ''لترکبن'' کا لفظ اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ یہ اوپر جانا کسی سواری کے ذریعہ ہو گا: **الرکوب فی الاصل کون الانسان علی ظھرِ حیوانٍ وقد یُستعملُ فی السفینۃ۔** ''رکوب اصل میں انسان کے کسی حیوان پر سوار ہونے کو کہتے ہیں لیکن اس کا استعمال جہاز کی سواری پر بھی ہوتا ہے'' جب تک سائنس

اور ٹیکنالوجی نے ترقی نہیں کی تھی اور انسان کے زمین سے پرواز کر کے کسی دوسرے سیارے تک جانے کا تصور نہ تھا، اس وقت تک رکوب کو اس کے اصلی معنی میں استعمال کرنا مشکل تھا۔ اس لیے مفسرین کرام اس کے مجازی معنی مراد لیتے رہے۔ لیکن اب جب سائنسی اور ٹیکنالوجی کی ترقی نے انسان کی فضا اور خلا میں پرواز کو ممکن بنا دیا ہے، اور ہم دیکھتے ہیں کہ انسان مختلف سیاروں پر پہنچنے کی کوششوں میں مصروف ہے، تو اب اس لفظ کو اس کے حقیقی مفہوم میں استعمال کرنا بلاشبہ جائز ہوگا۔ ''لترکبین'' کے ساتھ لام تاکید اور ن ثقیلہ اس کے مفہوم میں دوہری تاکید پیدا کر رہا ہے کہ طبق در طبق کا یہ سفر ضرور واقع ہوگا۔ ''لترکبن''، جمع کا صیغہ ہے اور جمع کا صیغہ عربی زبان میں کم از کم تین کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اس سے یہ واضح اشارہ بھی مل جاتا ہے کہ یہ سفر کرنے والے تعداد میں کم از کم تین ہوں گے اور **فَمَا لَهُمْ لاَ يُؤْمِنُوْن** کے الفاظ اس بات کی طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ یہ سفر کرنے والے غیر مسلم ہوں گے۔

آج سے کچھ عرصہ پیشتر انسانوں کے چاند پر پہنچنے کا حیران کن کارنامہ انجام پایا تو یہ ساری پیش گوئیاں حرف بحرف پوری ہوگئیں۔ انسان نے زمین سے چاند تک کا سفر کیا۔ یہ سفر ایک سواری خلائی جہاز کے ذریعے کیا گیا۔ سفر کرنے والوں کی تعداد تین تھی اور وہ تینوں غیر مسلم تھے۔ (60)

مزید سائنسی اکتشافات کی بنیادیں: قرآن کے بعض بیانات ایسے بھی ہیں، جو مزید سائنسی اکتشافات کے لیے بنیادیں فراہم کرتے ہیں۔ مثلاً قرآن حکیم سے ایک تصور یہ بھی ملتا ہے کہ زمین کے علاوہ آسمانوں میں بھی زندگی ہے۔ سورۂ شوریٰ میں زمین و آسمان کی تخلیق اور ہر دو میں جانداروں کے پھیلانے اور ارضی و سماوی مخلوق کے اجتماع کا ذکر ہے: **وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَثَّ فِيْهِمَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّهُوَ عَلٰى جَمْعِهِمْ اِ □ ذَا يَشَآءُ قَدِيْرٌ**)(61 واضح رہے کہ قدیم مفسرین تک اس آیت کریمہ کی بنیاد پر اس بات کے قائل ہیں کہ اجرام سماوی میں انسان جیسی مخلوق کا بھی وجود ہو سکتا ہے، مگر ہاں اس آیت کے آخری فقرے میں جس اجتماع کا تذکرہ ہے، اس سے مراد ان کے نزدیک قیامت کا دن ہے، مگر اس کو جزم کے ساتھ قیامت ہی سے متعلق قرار دینا صحیح نہیں ہو سکتا، کیونکہ اس میں ایسا کوئی لفظ موجود نہیں ہے، جو اس واحد مفہوم کا تعین کر سکے۔ بلکہ موجودہ خلائی پروازوں کی ترقی نے قبل از قیامت ہی اس اجتماع کو ممکن بنا دیا ہے۔((62

مطالعہ قرآن سے ایک مفہوم یہ بھی سامنے آتا ہے کہ اگر انسان خلاؤں اور بین السماء والارض مظاہر فطرت پر غلبہ حاصل کر لے اور اجرام سماوی کے طبیعی و فطری احوال و کوائف سے نپٹنے کے قابل ہو سکے، تو وہ دیگر سیارگان تک پہنچنے کے لیے سفر آغاز کر سکتا ہے، مگر مخلوقِ ارضی کا یہ لشکر حقیر تر ہے، جو دیگر سیاروں میں موجود فوجوں سے شکست کھا جائے گا: **اَمْ لَهُمْ مُّلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا**

فَلْيَرْتَقُوْا فِي الْاَسْبَابِ o جُنْدٌ مَّا هُنَالِكَ مَهْزُوْمٌ مِّنَ الْاَحْزَابِ o (63) مولانا شہاب الدین ندوی کے مطابق یہ آیت اس حقیقت کی بھی نقاب کشائی کر رہی ہے کہ انسان دیگر سیاروں پر پہنچ کر شکست کھا جائے گا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دیگر سیاروں پر کوئی ترقی یافتہ مخلوق بھی موجود ہے، مگر اس موقع پر یہ بات خوب سمجھ لینی چاہیے کہ قرآن حکیم یہ نہیں کہتا کہ یہ ترقی یافتہ مخلوق تمام سیاروں یا کل اجرام سماوی میں موجود ہے، بلکہ صرف یہ کہتا ہے کہ اجرام سماوی پر ان کا وجود ہے اور ان دونوں باتوں میں بڑا فرق ہے۔ لہٰذا یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ ترقی یافتہ مخلوق یا زندگی کی کوئی بھی شکل ہمارے نظام شمسی (Solar System) کے کسی سیارے (مثلاً زہرہ اور مریخ وغیرہ) میں ہوگی یا کسی دوسرے نظام شمسی میں؟ مگر اتنی بات تو ضرور کہی جا سکتی ہے کہ جب کبھی انسان کی مڈبھیڑ اس ترقی یافتہ مخلوق سے ہوگی تو پھر اس کا حلیہ بگڑ جائے گا۔ (64)

قرآن کریم زمین کے آسمانوں کی مثل (65) ہونے اور ایک سے زیادہ عالموں (66) کا تذکرہ کرتا ہے۔ لیکن دیگر عالموں اور آسمانوں کی مانند زمینوں کے ہونے کی صحیح کیفیت و حقیقت کیا ہے؟ اس سے متعلق ابھی تک کوئی قابل ذکر سائنسی معلومات موجود نہیں۔ مستقبل میں ممکن ہے اس کی سائنسی تناظر میں بہتر تفہیم کی کوئی صورت سامنے آ جائے۔ (واضح رہے کہ سائنس آسمانوں کی صحیح صحیح کیفیت سے متعلق بھی ابھی تک بہت محدود معلومات رکھتی ہے، جس کا ماہرین فلکیات وطبیعات واضح اعتراف کرتے ہیں۔ سبع سمٰوٰت کے اندر ابھی بہت سے دنیائیں پنہاں ہیں۔)

نتیجہ بحث:

مغرب میں آزادانہ غور وفکر اور حیات و کائنات سے متعلق عقلی توجیہات کے حوالے سے مقتدر اہل مذہب کا متعصّبانہ اور جارحانہ رویہ بالآخر مذہب اور سائنس کی حریفانہ کشاکش پر منتج ہوا۔ سائنس سے وابستہ لوگ ردعمل کی نفسیات کا شکار ہو کر مطلقاً مذہب کے دشمن بن گئے۔ رفتہ رفتہ مذہب اور سائنس کے تصادم اور ٹکراؤ کا تصور عام ہو گیا۔ عیسائیت کے نقائص، عیسائیت کے مذہب کی واحدہ نمائندہ ہونے اور سائنسدانوں کے مذہب کے خلاف اندھے تعصب کے سبب، مغرب میں یہ سوال قابل التفات نہ سمجھا گیا کہ کوئی مذہب ایسا بھی ہو سکتا ہے، جو آزادانہ غور وفکر کے خلاف عیسائیت کے تعصّبات سے بالاتر ہو؟ لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ ایسا مذہب، جیسا کہ بعد کے زمانوں میں خود بہت سے مغربی اہل سائنس نے اعتراف کیا، اسلام کی شکل میں موجود تھا۔ اس کی الہامی کتاب نہ صرف عیسائیت اور بائبل کے برعکس ایسے کسی تعصب ہی سے آزاد تھی بلکہ غور وفکر اور مشاہدہ و تجربہ، جو سائنس کا اصل الاصول ہے، کو مہمیز لگاتی تھی۔ اسلام کی پوری تاریخ شاہد ہے کہ یہاں مذہب اور سائنس کبھی ایک دوسرے کے متوازی دھارے نہیں رہے۔

قرآن اور جدید سائنس کے تناظر میں، جدید تر دور میں، البتہ بعض مسلمان افراط وتفریط کا شکار ہوئے ہیں۔ بعض قرآن سے سائنس کی جزئیات نکالنے کی کوشش کرتے ہیں اور بعض سائنس کو شجر ممنوعہ بنانے کی۔ یہ دونوں رویے بالبداہت دو انتہاؤں سے عبارت ہیں۔ قرآن سائنس کی کتاب ہے اور نہ اس سے مطلق بے تعلق۔ قرآن کا اصلی مقصود انسان کی ہدایت اور اسے دنیا و آخرت میں کامیابی کی راہ پر ڈالنا ہے۔ اس مقصد کے حوالے سے قرآن کا رویہ معروضی اور سائنٹفک ہے۔ وہ اپنے پیش کردہ نظریات ودعاوی کو گوش ونگاہ بند کر کے ماننے کے بجائے انفس وآفاق پر غور وفکر اور ان کا مشاہدہ وتجربہ کر کے ماننے پر زور دیتا ہے۔ انفس و آفاق کے مشاہدہ وتجربہ اور غور وفکر ہی پر سائنس کا انحصار ہے۔ گویا سائنس ایک ایسی چیز پر منحصر ہے، جس پر قرآن اپنے مقصد کے حصول کی غرض سے بطور ذریعہ کے زور دیتا ہے۔ انسان اور کائنات کے خالق کا ابدی اور لازوال کلام ہونے کے ناطے قرآن میں جہاں ایسی باتوں کا پایا جانا محال ہے، جو مشاہدہ میں آئی ہوئی حقیقت کے خلاف ہوں، وہاں ایسی چیزوں کا پایا جانا ناگزیر بھی ہے، جو مختلف زمانوں کے لوگوں کو اللہ تعالیٰ، اس کے پیغمبروں اور اس کے معجز کلام کی حقانیت کی طرف متوجہ کرنے کا ذریعہ بنیں۔ چنانچہ جہاں بعض نئے سائنسی حقائق قرآن کے بعض بیانات کے بہتر فہم کا سبب بنتے ہیں، وہاں سائنسی نوعیت اور پیش گوئیوں کی قبیل کے قرآنی بیانات معروضی رویے کے حامل غیر مسلم اہل علم و سائنس کو قرآن کی جانب متوجہ کرنے کا ذریعہ بھی بنتے ہیں۔ اور یہ سلسلہ ان شاء اللہ اس وقت تک جاری رہے گا، جب تک سب پر یہ واضح نہیں ہو جاتا کہ یہ حق ہے (سَنُرِيهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ ☐ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَق)۔(67)

حوالہ جات وحواشی

1. Maurice Bucaille, The Bible, The Quran and Science, Translated from the French by ALastair D. Pannel and the Author, N.D.P.102.

۲۔ مودودی، ابوالاعلیٰ، مولانا، ترجمان القرآن، لاہور، پاکستان پرنٹنگ پریس، ۱۹۶۵ء، ص ۲۸۵۔۲۸۶۔

3. Maurice, Bucaille, The Quran and Modern Science, Ashraf Publication, Karachi, N.D,P.3.

۴۔ سیارہ ڈائجسٹ، قرآن نمبر، س۔ن، جلد دوم، ص۔ ۸۲۔

5. Iqbal, Dr Allama Muhammad, The Reconstruction of Religious Thought in Islam, Hafeez Press, Lahore, 1965, PP.195-196.

6. Encyclopaedia Britannica Printed in U.S.A, Fifteenth Edition, 1986, vol. 10,p.552, Gould.J.Kolb, A Dictionary of Social Sciences, Tavistock
Publications, London, 1964, p.620.

7. Arnold, Thomas, the legacy of Islam, Oxford University Press, 1983, P.11.

8۔ عبدالقادر، ڈاکٹر، تاریخ سائنس، ادارہ تالیف وترجمہ پنجاب یونیورسٹی لاہور، ۱۹۸۳ء، ص ا۔

9- رفیع الدین، ڈاکٹر، اسلام اور سائنس، لاہور، اقبال اکادمی پاکستان، میکلوڈ روڈ، ۱۹۸۲ء، ص ا۔

10۔ فضل کریم، ڈاکٹر، قرآن اور جدید سائنس، لاہور، فیروز سنز، ۱۹۹۹ء، ص ۳۵۔

11- محمود انور، پروفیسر، جدید طبیعات کا تعارف، لاہور، مجلس ترقی ادب 2 کلب روڈ، ۱۹۶۵ء، ص ا۔

12۔ العلق ۹۶:۱۔۵۔ 13۔ الرحمن ۵۵:۱۔۴۔ 14۔ الجمعہ ۶۲:۲۔

15۔ الزمر ۳۹:۹۔ 16۔ المجادلہ ۵۸:۱۱۔ 17۔ الفاطر ۳۵:۲۸۔

18۔ العنکبوت ۲۹:۴۳۔ 19۔ البقرہ ۲:۳۰۔۳۳۔ 20۔ طہ ۲۰:۱۱۴۔

21۔ البقرہ ۲:۱۶۴۔ 22۔ الذریت ۵۱:۲۰۔۲۱۔ 23۔ آل عمران ۳:۱۹۱۔

24۔ العنکبوت ۲۹:۲۰۔ 25۔ الغاشیہ ۸۸:۱۸۔۲۰۔ 26۔ ق ۵۰:۶۔

27۔ الاعراف ۷:۱۸۵۔ 28۔ الروم ۳۰:۲۰۔۲۲۔ 29- الاعراف ۷:۱۷۹۔

30- الانفال ۸:۲۲۔ 31- یوسف ۱۰۵:۱۲۔

32۔ رفیع الدین، ڈاکٹر، حوالہ مذکورہ، ص ۱۷۔

33- الملک ۶۷:۳۔۴۔ 34- البقرہ ۲:۲۶۰۔ 35- البقرہ ۲۵۹۲:۔

36- **سید قطب، فی ظلال القرآن، دار الشروق الطبعۃ الشرعیۃ التاسعۃ ۱۹۸۰ء، المجلد الاول، ص۔ ۱۸۱۔**

37- **المرجع السابق، المجلد الرابع، ص ۲۳۷۶۔** 38- **المرجع السابق۔**

39- شہاب الدین ندوی، مولانا، اسلام اور عصر حاضر، لاہور، المکتبۃ الاشرفیہ، جامعہ اشرفیہ فیروز پور روڈ، ۱۹۸۸ء، ص۔ ۳۷۔۳۸۔

40- حم السجدہ ۴۱:۵۳۔ 41۔ الذریت ۵۱:۴۹۔ 42- الحجر ۱۵:۲۲۔

43- یٰسین ۳۶:۳۶ 44۔ الانبیاء ۲۱:۳۳۔ 45- نوح ۷۱:۱۵۔۱۶۔

46- الفرقان ۲۵:۶۱۔ 47۔ یونس ۱۰:۵۔ 48- الذریٰت ۵۱:۴۷۔

49. Maurice Bucaille, The Bible, The Quran and Science, Op.Cit.P.110.

50- النساء ۴:۵۶۔

51۔ ذاکرنائیک، ڈاکٹر، قرآن اور جدید سائنس، لاہور، دارالسلام، ۲۰۰۸ء، ص ۹۳۔ ۹۴۔

52۔ العلق ۹۶:۱۔۲۔ 53۔ ذاکرنائیک، ڈاکٹر، حوالہ مذکور، ص ۲۷۔ ۷۵۔

54۔ ایضاً، ص ۷۸۔ 55-الرحمن ۳۳:۵۵۔

56. Maurice Bucaille, OP. CIT. P.149.

57- الحجر ۱۴:۱۵۔۱۵۔

58. Maurice Bucaille, OP. CIT. P.151.

59- النشقاق ۱۶:۸۴۔۲۰۔

60- طاہرالقادری، ڈاکٹر، ایمان بالکتب، لاہور، منہاج القرآن پبلی کیشنز، ص ۴۹۔۵۱۔

61- الشوریٰ ۲۹:۴۲۔ 62- شہاب الدین ندوی، مولانا، حوالہ مذکور، ص۔ ۹۳۔

63- ص ۲۸:۱۰۔۱۱۔ 64- شہاب الدین ندوی، مولانا، حوالہ مذکور، ص ۹۴۔

65- الطلاق ۶۵:۱۲۔ 66- الفاتحہ ۱:۱۔ 67- حم السجدہ ۴۱:۵۳۔

تفہیم دین

ڈاکٹر محمد امین

تصورِ اقامت دین

نئی اپروچ کی ضرورت

عصر حاضر میں اقامت دین کے دو بڑے تصور پائے جاتے ہیں۔ ایک وہ جو مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے پیش کیا اور جس میں وہ اسلامی ریاست اور اقتدار کو اسلامی مقاصد کے لیے استعمال کرنے پر زور دیتے ہیں اور دوسرے مولانا وحیدالدین خاں کا نقطۂ نظر جس میں وہ ریاستی کردار کی مرکزیت کو رد کر کے فرد کی اہمیت کو اجاگر کرتے ہیں۔ ان دونوں نقطہ ہائے نظر کی شرعی بنیاد تو موجود ہے لیکن محسوس ہوتا ہے کہ دونوں فریق کسی حد تک مبالغے اور افراط وتفریط کا شکار ہو گئے ہیں اور عمل (Thesis) اور ردّعمل (Anti-Thesis) کے بعد اب وحدت عمل (Synthesis) کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ اس ضمن میں ہم کچھ گزارشات اہل علم کی خدمت میں غور وفکر کے لیے پیش کرنا چاہتے ہیں:

۱۔ اقامت دین کوئی اختلافی مسئلہ نہیں

ہمارے نزدیک اقامت دین نہ تو کوئی دینی اصطلاح ہے اور نہ یہ کوئی مختلف فیہ مسئلہ ہے۔

اصطلاح سے مراد ہے کسی لفظ (یا الفاظ) کا لغوی معنی سے ہٹ کر مخصوص مفہوم میں استعمال جیسے صلوٰۃ، زکوٰۃ، جہاد......وغیرہ۔اقیموا الصلوٰۃ اور اقیموا الزکوۃ کی طرح اقیموا الدین کے الفاظ بھی قرآن حکیم میں استعمال ہوئے ہیں جن کا مطلب متعلقہ امر کا قیام ہے جس کی بنیادی اور معروف ترین شکل اس پر عمل کرنا ہے مع اس کے لوازم اور متعلقات کے۔یعنی نماز قائم کرو سے مراد ہے نماز ادا کرو اور اس کے لوازمات میں کپڑوں کا پاک ہونا، وضو کا اہتمام، وقت پر نماز ادا کرنا، نماز باجماعت کے لیے مساجد کی تعمیر اور امام کا تعین...... وغیرہ سب شامل ہیں۔اسی طرح دین قائم کرنے سے مراد ہے، انفرادی اور اجتماعی زندگی کے سارے شعبوں میں دینی تعلیمات پر عمل کرنا۔ظاہر ہے مسلمانوں میں اس امر پر کوئی اختلاف موجود نہیں ہے (اور نہ ہوسکتا ہے) کہ انہیں زندگی کے سارے امور میں دینی تعلیمات پر عمل کرنا چاہیے۔یہی وجہ ہے کہ ہمیں علماء وفقہاء کے ہاں اس طرح کی کوئی بحث نہیں ملتی کہ اقامت دین فرض و واجب ہے یا مستحب ومباح ہے کیونکہ انفرادی واجتماعی زندگی کے سارے شعبوں میں اسلامی تعلیمات پر عمل ایمان کا لازمی، منطقی اور فطری تقاضا ہے۔

۲۔ موحّد اپروچ (Holistic Approach) کی ضرورت

جب ہم یہ کہتے ہیں کہ مسلمانوں کو اپنی انفرادی اور اجتمای زندگی میں اسلامی تعلیمات پر عمل کرنا چاہیے اور اسی میں ان کی آخرت اور دنیا کی کامیابی ہے تو ہمیں یہ ذہن میں رکھنا چاہیے کہ انفرادی زندگی کے بعد اجتماعی زندگی کے دو مرحلے ہوتے ہیں ایک معاشرہ اور دوسرے ریاست وحکومت۔جو چیز مسلمانوں سے درکار ہے وہ یہ کہ وہ بیک وقت ان تینوں سطحوں پر اسلامی تعلیمات پر عمل کریں۔یہ رویہ غلط ہوگا کہ کسی ایک سطح پر تو عمل کیا جائے لیکن دوسری سے صرف نظر کرلیا جائے یا اسے اہمیت نہ دی جائے۔اس میں کوئی شک نہیں کہ انفرادی زندگی میں ایمان لانا اور ایمان کے تقاضوں پر عمل کرنا اہم تر ہے کہ معاشرہ اور ریاست افراد کے ملنے ہی سے بنتے ہیں اور انسان کو آخرت میں اللہ کے ہاں جواب دہی انفرادی حیثیت ہی میں کرنی ہے لیکن اس کے ساتھ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ کسی ایک فرد کے لیے دین پر کما حقہ عمل کرنا آسان اور شاید ممکن ہی نہیں جب تک معاشرے اور ریاست کی قوت اس کے ساتھ نہ ہو کیونکہ انسان کو اللہ نے مدنی الطبع پیدا کیا ہے اور وہ اکیلا زندگی بسر کر ہی نہیں سکتا لہٰذا اجتماعی زندگی کو اسلامی تقاضوں کے مطابق ڈھالنا ضروری اور ناگزیر ہے۔اور یہ صرف حیاتیاتی اور معاشرتی تقاضا ہی نہیں حکم شرعی بھی ہے اور قرآن وسنت اجتماعی زندگی سے متعلق احکام سے بھرے پڑے ہیں بلکہ شریعت نام ہی اس ہدایت اور طرزِ عمل کا ہے جس کے مطابق مسلمانوں کو اس دنیا میں انفرادی اور

اجتماعی زندگی گزارنا ہے۔

اور اس کے برعکس بھی صحیح ہے یعنی اجتماعی زندگی کو شریعت کے مطابق گزارنے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا جب تک فرد اپنی ذاتی زندگی پورے شعور اور رغبت کے ساتھ اسلامی تقاضوں کے مطابق نہ گزارے یا نہ گزارنا چاہے۔ پس یہ کہنا کہ اقامت دین کے لیے صرف اسلامی ریاست کا قیام کافی ہے، ایک ناقص بات ہے اور یہ کہنا کہ اصل چیز تو تعمیر فرد ہے اور اسلامی ریاست کے قیام پر اصرار غیر ضروری ہے، بھی ایک ناقص بات ہے اور صحیح اور متوازن موقف یہ ہے کہ اسلام زندگی گزارنے کی ایک موحد سکیم (Holistic Approach) دیتا ہے جس کے کسی ایک جزو پر عمل دوسرے کی قیمت پر نہیں ہونا چاہیے اور نہ ایک سطح پر عمل دوسرے کا نقیض ہوتا ہے بلکہ سب پر بیک وقت عمل درکار ہے اگرچہ اس کی فطری اور منطقی ترتیب یہی ہے کہ پہلے فرد، پھر معاشرہ اور پھر ریاست۔

۳۔ معاشرے کے کردار کا فقدان (The missing link of social change)

اس وقت عملاً کیفیت یہ ہے کہ مسلمانوں میں تعمیر فرد کے لیے جو کوششیں ہو رہی ہیں ان کا اسلوب ایسا ہے کہ وہ معاشرے اور ریاست پر اثر انداز نہیں ہو رہیں اور ظاہر ہے یہ ایک بنیادی اور بہت بڑا نقص ہے مثلاً تبلیغی جماعت ہو، دینی مدارس کا کردار ہو یا مولانا وحید الدین خاں جیسے لوگوں کی دعوتی سرگرمیاں ہوں یہ فرد کی اس طرح تعمیر کر رہی ہیں کہ معاشرہ اور ریاست ان سے متاثر نہیں ہو رہے اور ان کی اصلاح نہیں ہو رہی جس کے نتیجے میں فرد کو معاشرے اور ریاست کی طرف سے ایسی مدد نہیں مل رہی کہ وہ اسلامی تعلیمات پر عمل کر سکے بلکہ اس کے الٹ ہو رہا ہے کہ فرد تو اسلامی تعلیمات پر عمل کرنا چاہتا ہے لیکن معاشرہ اور ریاست اس میں مزاحم ہیں۔

اور دوسری طرف ریاست و اقتدار کے ذریعے نفاذ اسلام کی خواہش رکھنے والوں اور کوششیں کرنے والوں کی جدوجہد کا اسلوب ایسا ہے کہ اس سے فرد کی تعمیر کا کام نہیں ہو رہا اور وہ تعمیر فرد کے کام کی طرف زیادہ توجہ نہیں دے پا رہے اور ہماری بدقسمتی یہ کہ ریاست و اقتدار کی قوت کو اسلامی تعلیمات پر عمل کے لیے استعمال کرنے میں بھی انہیں زیادہ کامیابی نہیں ملی جس کا سبب مزاحم قوتیں بھی ہیں اور جدوجہد کرنے والوں کی غیر موثر پالیسیاں بھی۔

یہاں ہم فریق اول سے یہ کہیں گے کہ ان کی تعمیر فرد کی کوششیں قابل تحسین ہیں لیکن انہیں اجتماعی زندگی کی اصلاح کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے اور فریق ثانی سے یہ کہیں گے کہ ان کی ریاست و اقتدار کی اصلاح کی کوششیں قابل تعریف ہیں لیکن انہیں اسلامی تناظر میں فرد کی تعمیر شخصیت کے لیے بھی بھرپور

کردار ادا کرنا چاہیے۔ لیکن جو بات ہم زور دے کر کہنا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ دونوں فریق معاشرے کے اہم کردار سے صرف نظر نہ کریں۔ دیکھیے! ہم آپ کو اپنے اسلاف کی مثال دیتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور حضرت حسین بن علیؓ جیسے بڑے لوگ جب اپنی جان دے کر بھی اسلامی ریاست میں در آنے والی خرابی (بلکہ خرابیوں) کو نہ روک سکے تو امت کے علماء وصلحاء نے کیا کیا؟ کیا انہوں نے اجتماعی زندگی کی اصلاح سے توبہ کر لی اور گھروں میں دبک کر بیٹھ گئے؟ نہیں انہوں نے ریاست و اقتدار کا محاذ چھوڑ کر معاشرے کے محاذ پر کام کرنا شروع کر دیا اور ایسا عظیم الشان کام کیا کہ تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے اور ان کی یہی جدوجہد اگلے ایک ہزار سال تک مسلم معاشرے کو دنیا میں غالب و برتر رکھنے کا سبب بنی۔ انہوں نے عوام کی مدد سے معاشرے کی سطح پر یہ کام کیا کہ نظام تعلیم اور قانون سازی کا کام اپنے ہاتھ میں لے لیا اور اس میں اتنے کامیاب رہے کہ حکومتوں کو بھی ان کے ساتھ تعاون کے سوا چارہ نہ رہا اور نہ کبھی وہ یہ بنیادی ترین شعبے ان سے واپس لے سکے جب تک کہ امت کو زوال نے نہ آ لیا۔ اسی طرح امت کے صلحاء نے لوگوں کی ایمانی، اخلاقی اور عملی اصلاح کے لیے تصوف کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا اور سارے عالم اسلام کے قریے قریے میں اس کی شاخیں کھول دیں اور کروڑوں افراد کی زندگیوں کو بدل کر انہیں اسلامی تعلیمات پر عمل کے قابل بنا دیا۔ اسی طرح علماء، صلحاء اور تجار نے دعوت دین اور اشاعت اسلام کا کام اپنے ہاتھ میں لے لیا اور کروڑوں غیر مسلموں اور کئی خطوں اور ملکوں کو اسلام کے نور سے منور کر دیا۔

حکمت عملی کی تبدیلی

اسلاف کی یہ چند مثالیں ظاہر بلکہ ثابت کرتی ہیں کہ ریاستی قوت کے بغیر بھی اقامت دین کا کام کامیابی سے کیا جا سکتا ہے بلکہ ریاستی مزاحمت کے باوجود بھی کیا جا سکتا ہے جیسا کہ حضرت شیخ احمد سرہندیؒ (مجدد الف ثانی) نے کر کے دکھا دیا۔ لہٰذا ہم اقامت دین کے ان داعیوں سے جو ریاست و اقتدار کے ذریعے اسلامی نظامِ حیات مسلم معاشرے میں نافذ کرنا چاہتے تھے یہ گزارش کرتے ہیں کہ وہ معاشرے کی سطح پر کام کرنے کی حکمت عملی اپنائیں۔ اور ان لوگوں سے یہ کہتے ہیں جو تعمیر فرد کے لیے دعوتی، تبلیغی اور تدریسی سرگرمیوں میں مصروف ہیں صرف نماز روزہ اور داڑھی ہی دین نہیں، صرف فرد کی ذاتی زندگی میں دین آ جانا ہی مطلوب نہیں بلکہ ہماری اجتماعی زندگی میں بھی اسلام آنا چاہیے۔ معاشرے اور ریاست کو بھی اسلامی تقاضوں کے مطابق بدلنا ضروری ہے تا کہ وہ فرد کو اسلام کے مطابق چلنے میں مدد دیں۔

ہم سمجھتے ہیں کہ اگر یہ دونوں فریق ہماری اس استدعا پر غور فرمائیں اور اپنے طریق کار اور حکمت عملی پر نظر ثانی فرمائیں اور خصوصاً معاشرے میں تبدیلی لانے اور معاشرے کے ذریعے تبدیلی لانے کو اپنے لائحہ عمل کا حصہ بنالیں تو ہم سمجھتے ہیں کہ مسلم معاشرے کو زوال سے نکلنے میں بہت مدد ملے گی، فرد کو دنیا اور آخرت میں کامیابی کے لیے پیش قدمی کا حوصلہ ملے گا اور معاشرے اور ریاست میں وہ تبدیلی بتدریج آجائے گی جس کے خواب ہر مسلمان دیکھتا ہے۔

ھذا من عندنا و العلم عنداللہ۔

تزکیۂ نفس افادات احمد جاوید

مشینی زندگی سے جوہرِ انسانیت کا کچلا جانا

اگرچہ مغربی تہذیب کی اس نحوست سے آج کا کوئی انسان بچا ہوا نہیں ہے کہ اس نے انسانوں کو مشینوں کے استعمال کا عادی اور محتاج بنا دیا ہے لیکن اس فتنے میں مبتلا زیادہ تر آج کی نوجوان نسل ہے۔ ایک شخص کمپیوٹر یا ٹی وی کے سامنے بیٹھا ہوتا ہے، انٹرنیٹ یا موبائل استعمال کر رہا ہوتا ہے اور وہ گھنٹوں بیٹھا رہتا ہے، اسے وقت گزرنے کا احساس نہیں ہوتا، نماز کی ہوش نہیں ہوتی، کھانے کا احساس نہیں ہوتا اور والدین، بہن بھائیوں اور بیوی بچوں کا ہوش نہیں ہوتا۔ ان کی ضروریات کا احساس نہیں ہوتا، ان سے بات کرنے کا یا ان کی بات سننے کا اس کے پاس وقت نہیں ہوتا۔ قرآن وسنت میں جس لہو ولعب کی مذمت کی گئی ہے یہی تو ہے یعنی کسی مباح کام میں ایسی مصروفیت جو آپ کو فرائض اور اہم تر تعمیری کاموں سے غافل کر دے۔

مسلم روایت میں لوگ ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں، ان کی خوشیوں اور غموں میں شریک

ہوتے ہیں۔ وہ Caring ہوتے ہیں جب کہ یہ مشینی زندگی آپ کو اچھا مسلمان تو رہا ایک طرف اچھا انسان بھی نہیں رہنے دیتی۔ یہ آپ کی حس تعلق کو کچل دیتی ہے اور آپ کو بے حس بنا دیتی ہے۔ آپ دوسروں سے بلکہ اپنے آپ سے بھی غافل ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔

جن لوگوں کو مجبوراً ملازمت وغیرہ کے سلسلے میں طویل وقت کمپیوٹر کے سامنے بیٹھنا پڑتا ہے انہیں چاہیے کہ کسی کھیل میں حصہ لیں تاکہ ان کا جسم تھکے اور ذہن فرحت محسوس کرے۔ فطری زندگی گزارنا اور ضروری ہے جس میں سبزہ ہو، تازہ ہوا ہو، پھولوں کی خوشبو ہو تاکہ آنکھوں کو ٹھنڈک اور ذہن کو طراوت ملے۔

خوشی، تفریح، کھیل کود آپ کا حق ہے تو آپ کے بال بچوں کا بھی حق ہے اور اس کے مواقع پیدا کرنا بھی آپ کی ذمہ داری ہے۔ ان لوگوں کی ذہنیت قابل افسوس ہے جو معیار تعلیم بلند کرنے کا یہ مطلب سمجھتے ہیں کہ طلبہ میں لاکھوں لیپ ٹاپ تقسیم کر دیئے جائیں جب کہ تعلیم اچھا انسان اور اچھا مسلمان بنانے سے قاصر ہو اور تعلیمی ادارے بنیادی انسانی ضروریات سے محروم ہوں۔ (مدیر)

ہماری سرگرمیاں

ملی مجلس شرعی
سود کے خلاف موقف اور تحریک

جیسا کہ قارئین جانتے ہیں ملی مجلس شرعی سارے دینی مکاتب فکر کے علماء کرام کا ایک مشترکہ پلیٹ فارم ہے جو نہ صرف بین العلماء و بین المسالک اتحاد کے لیے کوشاں ہے بلکہ مسلم معاشرے کو درپیش مسائل میں علماء کرام کی طرف سے متفقہ موقف سامنے لانے کے لیے بھی جدوجہد کرتا ہے۔ پچھلے چند ماہ سے ملک کے دینی علمی حلقوں میں سود کا مسئلہ زیر بحث ہے کیونکہ جیسا کہ قارئین کے علم میں ہوگا کہ اسلامی نظریاتی کونسل اور وفاقی شرعی عدالت سے ہوتا ہوا یہ مسئلہ سپریم کورٹ کے شریعت اپیل بنچ تک پہنچا تھا جس نے آج کل کے تجارتی اور بنک کے سود کو اسلام میں ممنوع ربا قرار دیتے ہوئے حکومت سے اسے ختم کرنے کا حکم دیا تھا۔ مقررہ تاریخ سے پہلے حکومت نے ایک بنک سے اپیل کرا دی اور اس دوران پرویز مشرف صاحب کی حکومت نے پرانے ججوں کو فارغ کر دیا اور اپنی مرضی کے نئے جج تعینات کر دیے اور

ان سے سود کے خلاف فیصلہ بعض اعتراضات لگا کر دوبارہ وفاقی شرعی عدالت کو مزید سماعت کے لیے بھجوا دیا۔

چنانچہ جب وفاقی شرعی عدالت میں اس کیس کی دوبارہ سماعت شروع ہوئی تو ملی مجلس شرعی نے مناسب سمجھا کہ سارے مسالک کے علماء کرام کی طرف سے ایک مشترکہ موقف اختیار کیا جائے اور وہ عدالت میں جمع کرایا جائے۔ چنانچہ مجلس کے ایک اجلاس میں ارکان نے دو مسودے پیش کیے جن پر غور وخوض کے بعد ایک تیسرا مسودہ تیار کرنے کا فیصلہ ہوا اور اس کے لیے ایک کمیٹی بنا دی گئی جو اس پر کام کر رہی ہے۔

دریں اثناء مجلس نے یہ بھی طے کیا کہ عوامی سطح پر لوگوں کو اس مسئلے کی اہمیت اور نزاکت سے اگاہ کرنے کے لیے ایک مہم یا تحریک چلائی جائے۔ اس کے لیے 'تحریک انسداد سود' کے نام سے ایک مشترکہ پلیٹ فارم بنایا گیا اور مولانا زاہد الراشدی صاحب کو اس کا کنوینر بنایا گیا۔ اس تحریک نے اپنے ایک حالیہ اجلاس میں تین ماہ کے لیے ایک مہم ترتیب دی ہے جس کے تحت ۲۱ فروری ۲۰۱۴ء بروز جمعۃ المبارک ''یوم انسداد سود'' منایا جائے گا اور تمام خطباء سے درخواست کی جائے گی کہ وہ اپنے خطبات جمعہ میں عوام کو اس مسئلے کی اہمیت سے آگاہ کریں اور حکومت پر دباؤ ڈالا جائے کہ وہ اللہ و رسول کے خلاف جنگ سے باز آ جائے اور ملک سے سودی نظام ختم کر دے تاکہ اللہ کی خیر و برکت حاصل ہو اور مسلمانوں کی معاشی حالت بہتر ہو سکے۔

ہماری سرگرمیاں

آل پاکستان دینی مدارس مقابلہ مضمون نویسی

موضوع: مذہبی فرقہ واریت۔ اسباب، نقصان اور اصلاحی تجاویز

تحریک اصلاح تعلیم ٹرسٹ نے نومبر ۲۰۱۳ء میں مندرجہ بالا موضوع پر دینی مدارس میں مقابلہ مضمون نویسی کا اعلان کیا۔ اس مضمون کا اشتہار کئی دینی جرائد کو بھجوایا گیا جن میں سے بعض نے اسے شائع کیا اور بعض نے اسے قابل التفات نہ گردانا۔ ہم مولانا مفتی جسٹس (ر) تقی عثمانی صاحب کے شکر گزار ہیں جنہوں نے خصوصی دلچسپی لے کر یہ اشتہار ماہنامہ البلاغ میں لگوایا۔

اس موضوع کو منتخب کرنے میں حکمت یہ تھی کہ طلبہ کی توجہ ہمارے ملک میں فرقہ واریت کے

بڑھتے ہوئے رجحان پر منعقد کرائی جائے اور انہیں اس کے نقصانات اور اس کی اصلاح کے لیے مختلف طریقے اور تجویزیں سوچنے پر مائل کیا جائے تا کہ کل جب وہ تعلیم سے فارغ ہو کر عملی زندگی میں حصہ لیں تو فرقہ واریت کے زہر سے اپنے آپ کو بچا سکیں۔

۱۵ جنوری ۲۰۱۴ء کی آخری تاریخ تک ہمیں اس ضمن میں ۳۸ مضامین موصول ہوئے۔ جن طلبہ و طالبات نے اس مقابلے میں حصہ لیا ان کی فہرست مع ان کی جامعات کے ناموں کے درج ذیل ہے:

گل طارق، محمد افضل کاسی، فیضان قادر، حسین احمد سیف، فاران انور، سعد اللہ سعدی......**جامعہ دار العلوم کورنگی، کراچی**

مسعود عظمت......**جامعہ فاروقیہ۔ کراچی**

محمد عبد اللہ، یاسر علی کیانی......**جامعہ اشرفیہ۔ لاہور**

محمد تہامی بشر علوی......**دار العلوم تعلیم القرآن، پلندری۔ آزاد کشمیر**

محمد ایوب بن انور خان......**گورنمنٹ سعادت دار العلوم طورو۔ مردان**

محمد زاہد زیدی، عبد الستار بزمی......**جامعہ اسلامیہ جدیدہ۔ وہاڑی**

فرید بن مسعود......**قرآن اکیڈیمی، یٰسین آباد۔ کراچی**

حسن البناء، صدام محسن......**جامعہ عربیہ۔ گوجرانوالہ**

سعید محمود باچہ، محمد کریم اختر، محمد عزیر حسن، نور محمد صدیقی......**جامعہ عثمانیہ۔ پشاور صدر**

حافظ عبد الواجد، محمد غیاث......**جامعہ مرکز علوم اسلامیہ۔ منصورہ لاہور**

اعجاز احمد......**ادارہ علم وحکمت، جنڈ۔ اٹک**

محمد ارسلان......**جامعہ محمدیہ مروٹ۔ بہاولنگر**

محمد بشارت......**جامعۃ الحمید رائے ونڈ روڈ۔ لاہور**

وقار الامین محسن......**دار العلوم اصحاب الصفہ۔ لاہور**

حافظ محمد عاطف عثمانی......**جامعہ دار العلوم الاسلامیہ، اقبال ٹاؤن۔ لاہور**

ثواب علی خان......**جامعہ اسلامیہ، انجرا۔ ضلع اٹک**

محمد افضل، عمرین توحیدی......**جامعہ سلفیہ۔ فیصل آباد**

اویس احمد......**جامعہ عربیہ ریاض العلوم۔ حیدر آباد سندھ**

نوشین فاطمہ، خوشبو صدیقہ، عاصمہ سمیرا، رابعہ کرن، بتول ضیاء، سنبل نذیر...... **جامعہ المحصنات ۔ جھنگ**

ٹرسٹ کی ایک کمیٹی نے ان مضامین کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد انعامات کے سلسلے میں مندرجہ ذیل فیصلہ کیا:

اول: محمد افضل، جامعہ سلفیہ، فیصل آباد　10,000/- روپے

دوم: گل طارق، دارالعلوم کورنگی، کراچی　6,000/- روپے

سوم: محمد تہامی علوی، دارالعلوم تعلیم القرآن، پلندری　4,000/- روپے

حوصلہ افزائی کے انعامات (اسلامی کتب):

۱۔ محمد ایوب بن انور خان...... گورنمنٹ سعادت دارالعلوم طورو۔ مردان

~~۲۔ عمرین توحیدی...... جامعہ سلفیہ۔ فیصل آباد~~

۳۔ فاران انور ...... جامعہ دارالعلوم کورنگی، کراچی

۴۔ مسعود عظمت...... جامعہ فاروقیہ۔ کراچی

۵۔ محمد عبداللہ...... جامعہ اشرفیہ۔ لاہور

۶۔ محمد عزیر حسن...... جامعہ عثمانیہ۔ پشاور صدر

۷۔ مدیرہ جامعہ المحصنات ۔ جھنگ

ہم ان سب طلبہ کے شکر گزار ہیں جنہوں نے ہمارے مجوزہ موضوع پر منعقدہ مقابلہ مضمون نویسی میں حصہ لیا۔

جو طلبہ انعام کے حق دار ٹھہرے ہم ان کو مبارک باد پیش کرتے ہیں اور جو انعام نہ جیت سکے وہ بھی اس لحاظ سے خوش نصیب ہیں کہ انہوں نے ایک کار خیر میں شرکت کی اور مسابقت میں حصہ لیا۔ فتح و شکست تو کھیل کا حصہ ہوتی ہے علمی مقابلوں میں حصہ لینا اور کوشش کرنا خود ایک محمود اور ثمر آور کام ہوتا ہے اور حصہ لینے والے کے عزائم اور اعلیٰ مستقبل کی نشان دہی کرتا ہے۔

چونکہ مقابلے میں جیتنے والے دور دراز مقامات کے تھے اس لیے ان کو لاہور میں جمع کرنے اور تقسیم انعامات کی تقریب منعقد کرنے میں ان کے لیے مشقت تھی اس لیے انعامات طلبہ کو منی آرڈر اور ڈاک کے ذریعے ارسال کر دیے گئے ہیں۔

وفیات

ممتاز محقق،مصنف اور دانشور بشیر احمد انتقال کر گئے

ممتاز محقق،مصنف اور دانش ور جناب بشیر احمد ۴ جنوری ۲۰۱۴ء کو راولپنڈی میں انتقال کر گئے۔ ان کی عمر ۷۳ سال تھی۔ وہ یکم جنوری ۱۹۴۱ء کو راولپنڈی میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے ۱۹۶۳ء میں پنجاب یونیورسٹی سے معاشیات میں ایم اے کیا۔ وہ چند سال تک حشمت علی اسلامیہ کالج سمیت راولپنڈی کے مختلف نجی کالجوں میں معاشیات کے استاد رہے۔ انہوں نے ۱۹۷۴ء میں فیڈرل پبلک سروس کمیشن کا امتحان پاس کیا اور مختلف وفاقی اداروں سے منسلک رہے۔ ۱۹۸۳ء میں انہوں نے فلیچر اسکول آف لاء اینڈ ڈپلومیسی، مڈفورڈ، بوسٹن (امریکہ) سے لاء اینڈ ڈپلومیسی میں ایم اے کیا۔ وہ ۲۰۰۱ء میں منسٹری آف کامرس کے انٹرنیشنل ٹریڈ ونگ کے ڈپٹی چیف کے طور پر ریٹائر ہوئے۔ ان کا خصوصی موضوع مذاہب کا تقابلی مطالعہ تھا۔ اب تک ان کی مندرجہ ذیل تصنیفات اور تالیفات شائع ہو چکی ہیں۔

۱۔ قادیان سے اسرائیل تک ۲۔ بہائیت: اسرائیل کی خفیہ سیاسی تنظیم ۳۔ فری میسنری: اسلام دشمن خفیہ یہودی تنظیم ۴۔ بائبل کا تحقیقی جائزہ ۵۔ اقبال اور قادیانیت: تحقیق کے نئے زاویے۔

۶۔ Ahmadiyyah Movement: British - Jewish Connections

۷۔ Pakistan and the World Trade Organisation

(رپورٹ: شکیل عثمانی)

تبصرۂ کتب　　　مدیر

صہیونیت۔ قرآن مجید کے آئینے میں

از انجینئر مختار فاروقی

مختار فاروقی صاحب اپنے نام کے ساتھ انجینئر لکھتے ہیں جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ اپنی پیشہ ورانہ زندگی میں انجینئر تھے یا ہیں لیکن ماہنامہ حکمت بالغہ کے مدیر کے طور پر ان کی جو شخصیت سامنے آئی ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ نہ صرف عالم ہیں بلکہ یہ کہ وہ تاریخ فہمی اور تاریخ نگاری کا بہت عمدہ ذوق رکھتے ہیں، **اللھم زد فزد**۔ 'صہیونیت۔ قرآن مجید کے آئینے میں' کے عنوان سے ان کی جو تازہ تالیف ہمارے سامنے آئی ہے وہ بہت عمدہ ہے اور عالم انسانیت اور عالم اسلام کے خلاف یہودیوں اور صہیونیوں کی سازشوں کی، وہ قرآنی تجزیوں کے پس منظر میں، خوبصورتی سے نقاب کشائی کرتے ہیں۔

کتاب کے اگلے ایڈیشن کے لیے ہم فاضل مصنف کی خدمت میں دو تجاویز پیش کرتے ہیں۔ ایک یہ کہ کتاب کا آخری حصہ جو عصر حاضر سے متعلق ہے، بہت مختصر ہے اور اس میں محض اشارات پر اکتفا کیا گیا ہے۔ خصوصاً ان دو نکات پر کہ مشرق وسطیٰ اور جنوب مشرقی ایشیا کے مسلم ممالک کے بارے میں امریکی پالیسیوں کی بنیاد اسرائیل مفادات پر ہے اور یہ کہ علمی دنیا کے دو اہم تصورات یعنی ’مطالعۂ تقابل ادیان‘ اور ’مکالمہ بین المذاہب‘ یہودی ہتھکنڈے ہیں، ذرا تفصیل سے روشنی ڈالنے کی ضرورت ہے۔ دوسرے یہ کہ کتاب کے شروع میں فہرست مضامین بہت مختصر ہے یہاں تک کہ ابواب کے عناوین بھی پورے نہیں دیے گئے۔ اگر یہ فہرست تفصیلی ہو تو قاری کو ایک نظر میں پتہ چل جائے گا کہ کتاب میں کون سے موضوعات زیر بحث آئے ہیں۔ موجودہ صورت میں کتاب کے چار باب ہیں۔ اول: صہیونیت کے خدوخال دوم: صہیونیت ۶۰۰ ق م سے ۔ ۶۱۰ء تک سوم: صہونیت کی قتل انبیاء کرام...... چہارم: صہیونیت کا منطقی انجام۔

عمدہ لوازمے اور خوبصورت گیٹ اپ کے ساتھ ۳۰۰ صفحات کی اس کتاب کی قیمت ۴۲۵ روپے ہے اور یہ مکتبہ قرآن اکیڈیمی۔ لالہ زار کالونی ۲، ٹوبہ روڈ جھنگ (فون ۰۴۷-۷۶۳۰۸۶۱) سے حاصل کی جاسکتی ہے۔

نیکی پھیلائیں، بدی مٹائیں

(امر بالمعروف ونہی عن المنکر)

مرتب: عارف الرحمن

عارف الرحمن صاحب ملک اور لاہور کے دینی واصلاحی حلقوں میں اس لحاظ سے معروف ہیں کہ ان کی زندگی کا ایک بڑا مقصد اور ان کی کوششوں کا محور اصلاح معاشرہ ہے۔ ہم ان کو ہدیہ تبریک پیش کرتے ہیں کہ وہ ایک ایسا کام کررہے ہیں جو انتہائی اہم اور ضروری ہے اور جس کی طرف لوگوں کی توجہ کم ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ان کی کوششوں کو قبول فرمائے اور ان کے کام میں برکت دے۔ اصلاح معاشرہ ایک ایسا کام ہے جو کرنے والے کے اخلاص پر دلالت کرتا ہے کیونکہ ظاہر ہے نہ انھوں نے لوگوں سے ووٹ مانگنے ہیں اور نہ وہ کسی سے اجر کے متقاضی ہیں۔

''نیکی پھیلائیں، بدی مٹائیں'' (امر بالمعروف ونہی عن المنکر) ایک اصلاحی کتاب ہے اور فاضل مرتب کے پیش نظر لوگوں کو ترغیب دلانا ہے کہ وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام کریں تاکہ معاشرے کی اصلاح ہو سکے۔ ۲۹۵ صفحات پر مشتمل یہ کتاب ابواب اور فصول کی بجائے موضوعات پر مشتمل ہے جو ابتداء میں دس صفحات پر پھیلے ہوئے ہیں۔ اگرچہ یہ تفصیلی فہرست کافی وشافی ہے لیکن کتاب کے موضوعات کا ابواب وفصول میں انضباط اس کی تفہیم میں مدد دیتا ہے ہے۔ موجودہ صورت میں آسان نیکیاں، حسن معاشرت، اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ وناپسندیدہ لوگ، اخلاق حسنہ جیسے عناوین قائم کر کے ان کے بہت سے ذیلی عنوان دیے گئے ہیں۔

اس کتاب کی قیمت ۳۰۰ روپے ہے اور یہ ادارہ مطبوعات سلیمانی، رحمان مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور (۰۴۲-۳۷۲۳۲۷۸۸) سے دستیاب ہے۔

تبصرہ: ازمولانا مفتی محمد اصغر ☆

سہ ماہی ''فکر ونظر'' اسلام آباد کی خصوصی اشاعت

بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد کا ذیلی ادارہ ''ادارہ تحقیقاتِ اسلامی'' ایک علمی وتحقیقی ادارہ ہے جو اسلامی تعلیمات، اسلامی اقدار اور ثقافت اسلامیہ کے فروغ وترقی کا نقیب ہے اور مختلف النوع موضوعات پر علمی وتحقیقی کام سرانجام دیتا ہے۔ اس کا ترجمان مجلہ سہ ماہی ''فکر ونظر'' ہے جو ایک اہم علمی دینی وتحقیقی رسالہ ہے۔ اس کا شمار برصغیر پاک وہند کے اہم اور بلند پایہ رسائل وجرائد میں ہوتا ہے۔ اس کا اجراء کراچی سے ۱۹۶۳ء میں ہوا تھا کچھ عرصہ تک راولپنڈی سے بھی شائع ہوتا رہا، پھر اس کا دفتر فیصل مسجد اسلام آباد کی تعمیر کے بعد اس کے متصل اسلام آباد میں منتقل ہو گیا۔ پہلے یہ ماہنامہ کی حیثیت سے شائع ہوتا رہا پھر اسے سہ ماہی بنا دیا گیا اور اب اسی حیثیت سے پابندی سے نہایت اہتمام کے ساتھ شائع ہو رہا ہے۔ اس میں بہت اہم اور قدآور علمی شخصیات کی نگارشات شائع ہوتی ہیں جو اہل علم کی علمی پیاس بجھانے کا ذریعہ بنتی ہیں اور اہل علم کو باقاعدہ اس کا انتظار رہتا ہے۔

فکر ونظر کے مضامین ومقالات وقتی نہیں بلکہ دائمی نوعیت کے ہوتے ہیں اور نہایت سنجیدہ، ٹھوس اور علمی وتحقیقی ہوتے ہیں اور متنوع موضوعات کا احاطہ کئے ہوئے ہوتے ہیں۔ اور سب سے بڑی بات یہ کہ اس میں کسی بھی قسم کی مسلکی چھاپ نہیں ہوتی بلکہ تمام مکاتبِ فکر کے سنجیدہ اہل علم کی نگارشات یکساں حیثیت میں شائع ہوتی ہیں البتہ بعض اہل قلم کے مقالات پر دیگر اہل علم کو کچھ تحفظات ہوتے ہیں اور وہ

اس پر کُھل کر نقد بھی کرتے ہیں اور اپنی رائے کا اظہار بھی کرتے ہیں اور یہ ان کا حق بھی ہے اس لئے کہ کسی بھی بڑے سے بڑے علم والے کی بات حرف آخر نہیں ہوتی۔ اس کے صحیح اور غلط ہونے کا امکان بہرحال ہوتا ہے، ان کے نتائج فکر قابل قبول بھی ہو سکتے ہیں اور قابل رد بھی۔ 'فکر ونظر' کا دائرہ کار فکری، علمی اور تحقیقی ہے اپنے اسی تحقیقی وعلمی معیار کی بنا پر مجلہ کا ہر شمارہ اسلام اور پاکستان کی نظریاتی اساس کے حوالہ سے اہل تحقیق کے لیے ایک اہم اور مستند مأخذ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کے مدیران میں ڈاکٹر قدرت اللہ، پروفیسر محمد سرور، ڈاکٹر شرف الدین اصلاحی، ڈاکٹر محمود احمد غازی، ڈاکٹر خالد مسعود، رشید احمد جالندھری صاحب، زادہ ڈاکٹر ساجد الرحمن ایسی علمی شخصیات شامل رہی ہیں۔ اب اس کے مدیر جناب ڈاکٹر سہیل حسن اور نائب مدیر سید متین احمد شاہ ہیں۔ فکر ونظر میں عموماً تمام اسلامی علوم اور تہذیب وتاریخ کے حوالے سے برصغیر کے ممتاز اہل علم کے گراں قدر مقالات شائع ہوتے ہیں البتہ ادارہ بطور خاص جن موضوعات کو ترجیح دیتا ہے اور ان پر اہل علم کی نگارشات کا خیر مقدم کرتا ہے، وہ ہیں: قرآن مجید، حدیث وسنت، فقہ واجتھاد، تاریخ اسلامی، اسلامی تہذیب، اسلام اور مغرب، اسلام اور فنون لطیفہ، اسلامی تعلیمات، اسلام اور جدید مباحث، بین الاقوامی معاہدے، جغرافیائی حد بندی، عالمگیریت، حقوق انسانی، خواتین کا سیاسی وسماجی کردار اور مطالعہ ادیان وغیرہ۔

'فکر ونظر' اپنے اجراء سے لے کر اب تک اہم اور وقیع علمی وفکری سرمایہ امت کے سامنے پیش کر چکا ہے اور بہت سے خصوصی نمبر بھی مختلف موضوعات پر شائع کر چکا ہے۔ بالخصوص برصغیر میں مطالعہ حدیث، سیرت نگاری میں جدید رجحانات، اندلس میں اسلامی میراث، مخطوطات نمبر، حج نمبر، سید صباح الدین مرحوم، ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ اور ڈاکٹر ابوالخیر کشفی مرحوم پر خصوصی نمبر شائع کر کے اہل علم اور شائقین علوم سے خراجِ تحسین حاصل کر چکا ہے۔ اور اب ایک نیا علمی کام یہ پیش کیا ہے کہ فکر ونظر کی ایک خصوصی اشاعت ''جنوبی ایشاء میں اسلامی قانونی فکر اور ادارے'' کے نام سے شائع کی ہے اور وہی اس وقت ہمارے پیش نظر ہے۔ اس خصوصی اشاعت کو 'فکر ونظر' نے تین حصوں میں تقسیم کیا ہے: پہلے حصے کا ''برصغیر کے فقہی رجحانات'' دوسرے کا موضوع ''جنوبی ایشاء میں اسلامی قانون کا نفاذ'' اور تیسرے حصے کا موضوع ''جنوبی ایشاء کا فقہی ورثہ'' ہے۔ برصغیر کے فقہی رجحانات کے تحت دو اہل علم کے مقالات شامل اشاعت ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں مقالات ہی اس خصوصی اشاعت کی جان ہیں۔ پہلا مقالہ ''پاکستان میں فقہ وافتاء کے خدوخال: جائزہ اور تجاویز'' کے عنوان پر ہے اور اس کے لکھنے والے ملک کے معروف تعلیمی ادارے جامعہ اسلامیہ امدادیہ فیصل آباد کے نائب صدر اور شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمد زاہد صاحب ہیں جو اس سے پہلے بھی کئی علمی وتحقیقی کام کر چکے ہیں بالخصوص حدیث اور مباحث

حدیث پر بڑا وقیع علمی سرمایہ شائقین علوم حدیث کی نذر کر چکے ہیں۔ جامع ترمذی پر محدث العصر حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ کی لاجواب عربی شرح معارف السنن کے تکملہ کی بھی پہلی جلد شائع کر چکے ہیں اور مزید جلدوں پر بھی کام جاری ہے اور مشکوٰۃ شریف کی اردو شرح بھی اشرف التوضیح کے نام سے چار جلدوں میں پیش کر چکے ہیں اور برصغیر پاک وھند کے چوٹی کے علمی و تحقیقی عربی اردو رسائل و جرائد میں ان کے مقالات شائع ہو چکے ہیں۔ انہوں نے زیر بحث مقالہ میں پاکستان میں فقہ وافتاء کا سنجیدہ جائزہ لے کر آج کے معروضی حالات کے تناظر میں قابل قدر تجاویز اور آراء پیش کی ہیں، انہوں نے جن عنوانات پر خامہ فرسائی کی ہے وہ عصر حاضر کے اعتبار سے بہت ہی اہمیت کے حامل ہیں مثلاً افتاء کے شعبے کا پرائیویٹ یا سرکاری ہونا۔ مولانا کی رائے کے مطابق ریاستی سطح کی بجائے اس شعبے کا پرائیویٹ ہونا اسلامی فرد کی آزادی اور سادگی والے مزاج سے زیادہ مطابقت رکھتا ہے۔ سماجی مسائل میں عرف وعادت کی رعایت، فقہی مباحث کا عملی صورتحال سے تعلق، فقہی مسائل اور دلائل کا تعلق، افتاء اور قانون سازی کے مباحث میں فرق، اسلامی قانون سازی میں ماہرین شریعت اور ریاستی اداروں کے کردار کی نوعیت، سدِّ ذریعہ کے اصول کا استعمال غرض ان میں سے ہر ایک عنوان پر بیش قیمت معلومات فراہم کی گئی ہیں اور ان میں در آنے والی کوتاہیوں کا عملی حل تجاویز کی شکل میں پیش کیا گیا ہے۔

دوسرا مقالہ ''جد جہد آزادی اور فتاویٰ: انیسویں صدی کے فتاویٰ کا ایک تجزیاتی مطالعہ'' کے موضوع پر ہے جسے اردو دائرہ معارف اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی لاہور کے مدیر جناب ڈاکٹر محمد ارشد صاحب نے تحریر کیا ہے، مقالے کے پہلے حصے میں ۱۸۰۳ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے اقتدار کے قائم ہونے سے لے کر ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی تک کے فتاویٰ کا تجزیاتی مطالعہ پیش کیا ہے جبکہ دوسرا حصہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد کی صورتحال سے متعلق مختلف مکاتب فکر کے فتاویٰ کے تجزیاتی مطالعہ پر مشتمل ہے جو بہت معلومات افزاء ہے۔ دوسرے حصے میں جنوبی ایشاء میں اسلامی قانون کے نفاذ پر دو مقالات شائع کئے گئے ہیں پہلا مقالہ پروفیسر محمد مشتاق احمد اسسٹنٹ پروفیسر بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد کا ہے جو ''پاکستان میں رائج فوجداری قوانین: اسلامی قانونی فکر کے چند اہم مباحث'' کے موضوع پر ہے اور خاصے کی چیز ہے۔ دوسرا مقالہ شگفتہ عمر، دعوہ اکیڈمی اسلام آباد کے قلم سے ''برصغیر میں مسلم عائلی قوانین کے ارتقاء نفاذ اور اثرات کے جائزہ'' پر مشتمل ہے۔ مجلّے کا تیسرا حصہ جنوبی ایشاء کے فقہی ورثے کے موضوع پر خاص ہے۔ اس میں تین مقالات شامل ہیں پہلا مقالہ ''برصغیر ہند و پاک کا فقہی ادب، ایک جائزہ'' کے عنوان سے ہے جسے علی گڑھ انڈیا کے ڈاکٹر ضیاء الدین فلاحی نے تحریر کیا ہے، اس کی اہمیت بتانے کے لیے اس کے چند ذیلی عنوانات کا ذکر ہی کافی ہے مثلاً برصغیر

میں فقہ کا ارتقا، عہدِ وُسطیٰ میں فقہی تصنیفات اور ان کے موضوعات، عہدِ مغلیہ کی فقہی تصنیفات اور ان کے موضوعات، عصر جدید میں علمی مراکز کی اردو زبان میں فقہی خدمات وتصنیفات وغیرہ۔ دوسرا مقالہ''علوم قضا پر علما برصغیر کی تالیفات کا ایک جائزہ'' کے عنوان پر ہے اس کو ڈاکٹر عصمت اللہ، صدر شعبہ فقہ وقانون، ادارہ تحقیقاتِ اسلامی نے تحریر کیا ہے اور بہت معلوماتی مقالہ ہے، فقہ وقضا کے علوم کے شائقین کے لیے بڑی اہمیت کا حامل ہے جب کہ آخری مقالہ''احکام القرآن تھانویؒ: ایک تعارفی مطالعہ'' کے موضوع پر ہے، ڈاکٹر جنید احمد ہاشمی نے اسے سپرد قلم کیا ہے۔ احکام قرآن سے مراد وہ تفسیری رجحان ہے جس میں قرآن کریم کی احکامی آیات کی تفسیر اس انداز سے کی جائے جن سے براہ راست فقہی احکام کا استنباط ہوتا ہو۔ اس موضوع پر حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اپنی زیرنگرانی اپنے جید تلامذہ سے ایک عمدہ تفسیر لکھوائی ہے، ڈاکٹر صاحب نے اس کا جامع تعارف پیش کیا ہے۔ غرضیکہ 'فکرونظر' کا یہ خاص شمارہ اہم علمی وتحقیقی مواد پر مشتمل ہے اور دینی مدارس، کالجز اور یونیورسٹیز کے طلبہ اور اساتذہ کے لیے یکساں مفید ہے۔

☆ استاذ جامعہ اسلامیہ امدادیہ فیصل آباد (M.asghar680@yahoo.com)

شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ

'آپ میں سے جو حضرات محقق اور باخبر ہیں وہ جانتے ہوں گے کہ میرے اکابر سلف نے کبھی بھی کسی اجنبی زبان کے سیکھنے یا دوسری قوموں کے علوم وفنون حاصل کرنے پر کفر کا فتویٰ نہیں دیا۔'

'ہماری عظیم الشان قومیت کا اب یہ فیصلہ ہونا چاہیے کہ ہم اپنے کالجوں سے بہت سستے داموں کے غلام نہ پیدا کرتے رہیں بلکہ ہمارے کالج نمونہ ہونے چاہئیں

بغداد اور قرطبہ کی یونیورسٹیوں اور ان عظیم الشان مدارس کے جنہوں نے یورپ کو اپنا شاگرد بنایا اس سے پیشتر کہ ہم اس کو اپنا استاد بناتے۔'

'اے نونہالانِ وطن! جب میں نے دیکھا کہ میرے اس درد کے غمخوار (جس سے میری ہڈیاں پگھلی جارہی ہیں) مدرسوں اور خانقاہوں میں کم اور سکولوں اور کالجوں میں زیادہ ہیں تو میں نے اور میرے چند مخلص احباب نے ایک قدم علی گڑھ کی طرف بڑھایا اور اس طرح ہم نے ہندوستان کے دو تاریخی مقاموں (دیوبند اور علی گڑھ) کا رشتہ جوڑا۔ کچھ بعید نہیں کہ بہت سے نیک نیت بزرگ میرے اس سفر پر نکتہ چینی کریں اور مجھ کو اپنے مرحوم بزرگوں کے مسلک سے منحرف بتائیں لیکن اہل نظر سمجھتے ہیں کہ جس قدر میں بظاہر علی گڑھ کی طرف آیا ہوں اس سے کہیں زیادہ علی گڑھ میری طرف آیا ہے۔'

(۱۹۲۰ء میں جامعہ ملیہ اسلامیہ کے افتتاحی جلسے سے خطاب)